بیادگار

رئیس المحدثین حضرت اقدس مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری

دارالمؤلفین ٹیلیگرام چینل کا علمی دینی دعوتی اور اصلاحی

ماہنامہ

السعید

برقی مجلّہ

صفر المظفر، ربیع الاوّل ۱۴۴۲ھ مطابق اکتوبر، نومبر ۲۰۲۰ء

سرپرست

حضرت مولانا مفتی ڈاکٹر اشتیاق احمد قاسمی صاحب دامت برکاتہم

استاذ تفسیر وفقہ دارالعلوم دیوبند

مرتب

انس احمد قاسمی غفرلہ

دارالمؤلفین ٹیلیگرام چینل

وَأَمَّا الَّذِينَ سُعِدُوا فَفِي الْجَنَّةِ (سورۂ ہود:۱۰۸)

"رہ گئے وہ لوگ جو سعید ہیں سو وہ جنت میں ہوں گے"

دارالمؤلفین ٹیلیگرام چینل کا علمی دینی دعوتی اور اصلاحی

ماہنامہ

السعید برقی مجلہ

جلد:01

شمارہ:02

صفر المظفر، ربیع الاول ۱۴۴۲ھ

اکتوبر، نومبر ۲۰۲۰ء

بیادگار: رئیس المحدثین حضرت اقدس مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری قدس سرہ

سرپرست

حضرت مولانا مفتی ڈاکٹر اشتیاق احمد صاحب قاسمی دامت برکاتہم

استاذ فقہ وتفسیر دارالعلوم دیوبند

مرتب

انس احمد قاسمی

خادمِ تدریس مدرسۂ جامع العلوم، آمبور

مجلسِ ادارت

- مفتی انس احمد قاسمی
- مولانا اکرام الحق رشیدی
- مفتی صدیق احمد داری

مجلسِ معاونت

- مفتی احمد عبید اللہ یاسر قاسمی
- مولانا معین الدین ندوی قاسمی
- مفتی محمد جنید قاسمی

دارالمؤلفین ٹیلگرام چینل

فہرست مضامین

نگاہِ اولیں	قَوسِ قُزَح	محترم سرپرست	۴
نورِ حراء	زنا اور تہمتِ زنا کی سزائیں (قسط اول)	حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالن پوریؒ	۶
شمعِ رسالت	احیاءِ سنت اور امت کی دینی اصلاح کی جدوجہد	حضرت مولانا محمد منظور نعمانی صاحبؒ	۱۷
افاداتِ سعیدؒ	علمائے کرام اور طلبائے عظام سے چند باتیں (قسط دوم)	حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالن پوریؒ	۱۹
حالاتِ حاضرہ	موجودہ حالات میں علماء سے مطلوب کردارِ عزیمت	حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب	۲۹
مقالات ومضامین	صحابہ معیارِ حق ہیں	حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالن پوریؒ	۳۹
،،	صحابۂ کرام کے سلسلہ میں علمائے دیوبند کا معتدل موقف	حضرت مولانا مفتی ڈاکٹر اشتیاق احمد صاحب قاسمی	۴۷
،،	عدالتِ صحابہؓ کا مفہوم	مولانا محمد جنادہ نعمانی	۵۲
،،	صحابہ مثل انجم ہیں بہ فرمان رسول حق!	مولانا عبدالرشید طلحہ نعمانی	۶۲
،،	صحابہ کرامؓ کی گستاخی سنگین گناہ اور عظیم جرم	مفتی محمد صادق حسین قاسمی کریم نگری	۶۸
،،	ناقدینِ صحابہ پر بے وقوفی کی قرآنی مہر	مفتی احمد عبید اللہ یاسر قاسمی	۷۲
،،	صحابی پر تنقید نبی پر تنقید کے مترادف	مولانا محمد زبیر ندوی	۷۹
،،	ماہِ صفر المظفر اور مروجہ تصورات کی حقیقت	مولانا مفتی مبین الرحمن صاحب	۸۳
،،	امتی باعث رسوائی پیغمبر ہیں (بارہ ربیع الاول کے تناظر میں)	مفتی احمد عبید اللہ یاسر قاسمی	۸۸
،،	جان بہاراں....!	مولانا مفتی محمد اجود اللہ پھولپوری	۹۴
،،	زیارتِ روضۂ رسول ﷺ (مسئلہ شد رحال)	مولانا انس احمد قاسمی	۹۹
،،	صبر کی توفیق سب سے بہتر اور وسیع تر عطیہ	مولانا ڈاکٹر محمد نجیب قاسمی سنبھلی	۱۱۰
،،	مسلم معاشرے میں سودی لین دین کا بڑھتا رجحان	مولانا محمد معین الدین ندوی قاسمی	۱۱۶
نقوشِ رفتگاں	مگروہ علم کے موتی کتابیں اپنے آباء کی	حضرت مولانا مفتی امانت علی قاسمی صاحب	۱۲۰
شرعی مسائل	صحابۂ کرامؓ پر تنقید کرنے والے کا حکم	مفتی ابوداؤد انیال قاسمی	۱۲۵

نگاہِ اولیں

قَوسِ قُزَح

حضرت مولانا مفتی ڈاکٹر اشتیاق احمد قاسمی صاحب
استاذ تفسیر وفقہ دار العلوم دیوبند، سرپرست ماہنامہ السعید

قارئینِ باتمکین کی خدمت میں ماہ نامہ" السعید" کا تازہ شمارہ پیش ہے، تیاری تو ماہِ صفر میں تھی مگر عجیب اتفاق کہ اس ماہ میں اشاعت نہ ہوسکی ، یہ مہینہ خالی رہا اور خالی رہنا شاید اس کی تقدیر میں تھا کہ صفر کے معنی ہی "خالی" کے ہیں ،اس کا دوسرا نام "ناجر" بھی ہے،جس کے معنیٰ ہیں؛ گرمی کی شدت کی وجہ سے خوب پانی پینے والا ، یہ مہینہ ابتداء میں سخت گرمی والا تھا؛اسی وجہ سے اہل مکہ اپنے گھروں کو خالی کر کے سفر میں چلے جایا کرتے تھے،معتدل علاقوں میں سیر وتفریح اور کھیل کود کر گرمی کے ایام گزارتے پھر واپس آتے تو "ربیع" (بہار) کے دو مہینے بڑے ہی لطف وآرام سے اپنے گھروں میں رہتے ،ربیع کے معنی بہار کے ہیں، ہر طرف سرسبز وشادابی ہوتی ،مردہ زمین میں زندگی آجاتی ، اس پس منظر میں ان آیات کو پڑھیے ،جن میں مرنے کے بعد دوبارہ زندگی (میدانِ محشر کی طرف روانگی اور پھر حساب وکتاب) کے اٹل عقیدے کو قرآن پاک نے بیان فرمایا ہے تو تلاوت کا لطف بڑھ جائے گا اور ﴿لِإِيلَافِ قُرَيْشٍ،إِيلَافِهِمْ رِحْلَةَ الشِّتَاءِ وَالصَّيْفِ﴾ کا مضمون بھی سمجھ میں آئے گا۔

جاہلیت میں صفر کے مہینے کو منحوس سمجھا جاتا تھا، اس میں شادی بیاہ نہیں کرتے ،کوئی تقریب نہیں ہوتی ،ہم اور ہمارا معاشرہ بھی کچھ کم نہیں ،ہم جاہلیت سے ایک قدم آگے ہیں، ہم جاہلوں کے نزدیک پورا مہینہ نامبارک ہے، تیرہ تاریخ کو" تیرہ تیزی" اور خطرنا کی کا ہوّا ہم نے کھڑا کیا ہے اور آخری چہار شنبہ (بدھ) کو تو بڑا ہی بے برکت تصور کرتے ہیں،ہمیں کیا ہوگیا ہے؟ان کو ختم کرنے کے لئے ہم سنتِ نبوی ﷺ کی طرف کیوں نہیں

آتے ؟ ،حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صفر کی نحوست کے تصور کو "**لا صفر**" کہہ کر بالکل ہی ختم کر دیا، جس طرح دوسرے ایام منحوس نہیں، اسی طرح یہ مہینہ بھی منحوس نہیں، کوئی کام بے برکت نہیں، کوئی مہم نامراد نہیں!

ہم دست شمارے میں صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی معصومیت نہیں محفوظیت پر ۷/مضامین شامل ہیں؛ وہی نفوسِ قدسیہ جن کی وجہ سے کیانِ انسانیت میں اسلام کی بہار آئی، ہاں! بہار (ربیع) کے دو مضمون بڑے پُر بہار ہیں، ان کو پڑھیے، ہمارے ساتھ آپ بھی اس سے لطف لیجئے اور مشام عقیدہ کو معطر فرمایئے، سزائے زنا و تہمت، احیائے سنت، سود کی نحوست اور سب سے اہم اہلِ علم کی ذمہ داریوں پر مضامین آپ کی خدمت میں حاضر ہیں، قبول فرمایئے اور دعا دیجئے! پھر اجازت بھی!

والسلام

اشتیاق احمد قاسمی

مدرس دار العلوم دیوبند

۲۸ صفر المظفر ۱۴۴۲ھ، ۱۶ ستمبر ۲۰۲۰ء

قبلِ نماز جمعہ

نورِ حراء

زنا اور تہمتِ زنا کی سزائیں (قسط اول)

حضرت اقدس مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالن پوریؒ
شیخ الحدیث وصدر المدرسین دار العلوم دیوبند

الزَّانِيَةُ وَالزَّانِي فَاجْلِدُوا كُلَّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ وَلَا تَأْخُذْكُمْ بِهِمَا رَأْفَةٌ فِي دِينِ اللَّهِ إِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَلْيَشْهَدْ عَذَابَهُمَا طَائِفَةٌ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ (سورۃ النور آیت نمبر:۲)

ترجمہ:

زنا کار عورت، اور زنا کار مرد: پس تم دونوں میں سے ہر ایک کو سو کوڑے مارو، اور تم کو اللہ تعالیٰ کے دین کے معاملے میں، دونوں پر ترس نہ آئے، اگر تم اللہ تعالیٰ پر، اور پچھلے دن پر ایمان رکھتے ہو، اور چاہئے کہ دونوں کی سزا کے وقت مؤمنین کا ایک گروہ حاضر رہے۔

تفسیر:

یہ سزا اس زانیہ اور زانی کی ہے، جو آزاد، عاقل، بالغ ہوں، اور نکاح کئے ہوئے نہ ہو، یا نکاح تو ہو گیا ہو، مگر ہم بستری نہ ہوئی ہو، اور جو آزاد نہ ہو، یعنی غلام یا باندی ہو، تو اس کی سزا پچاس کوڑے ہیں، خواہ ان کی شادی ہوئی ہو، یا نہ ہوئی ہو اور جو مسلمان آزاد، عاقل، بالغ ہو، اور ایسی ہی عورت (آزاد، عاقلہ، بالغہ) سے نکاحِ صحیح کر کے ہم بستری کر چکا ہو، وہ مُحْصِن (صاد کے زیر کے ساتھ) اور مُحْصَنَة (صاد کے زبر کے ساتھ) کہلاتے ہیں، اور ان کی سزا رجم (سنگساری) ہے، اور اگر ایک شادی شدہ ہو، اور ایک غیر شادی شدہ، تو شادی شدہ کی سزا رجم، اور غیر شادی شدہ کی سزا سو کوڑے ہیں، اور رجم کی سزا حدیثوں اور اجماعِ امت سے ثابت ہے،

اوراس کی بنیاد ایک منسوخ التلاوۃ محکم الحکم آیت ہے، پس جو شخص اس کا انکار کرے، وہ آخری درجہ کا گمراہ ہے، البتہ یہ سزائیں اسلامی حکومت میں، امیر کے حکم ہی سے نافذ ہوسکتی ہیں، غیر اسلامی ملک میں، یا لوگ اپنے طور پر یہ سزائیں نہیں دے سکتے، اوران سزاؤں میں تخفیف وترحم کا اختیار امیر کو بھی حاصل نہیں ہے، کیونکہ زنا کی یہ سزائیں حدّ ہیں، حدود: وہ سزائیں ہیں، جو قرآن کریم، حدیث، یا اجماعِ امت سے ثابت ہیں، اور جو حق اللہ کے طور پر واجب ہوتی ہیں، اورحق اللہ کا مطلب یہ ہے، کہ وہ سزائیں مفادِ عامہ کے لئے مشروع کی گئی ہیں، یعنی لوگوں کے انساب، اموال، عقول اوراعراض (آبرو) کی حفاظت کے لئے مقرر کی گئی ہیں، یہ سزائیں گناہ سے پہلے، گناہ سے روکنے والی، اور گناہ کے بعد سرزنش ہوتی ہیں، یہ نہ معاف کی جاسکتی ہیں، نہ ان میں سفارش کی گنجائش ہے۔

اس کی تفصیل یہ ہے، کہ چند جرائم ایسے ہیں، جن کے لئے اللہ تعالیٰ نے سزائیں مقرر فرمائی ہیں، اس لئے ان میں کسی قسم کی تبدیلی کا کسی کو کوئی حق نہیں، یہ وہ چند جرائم ہیں، جن میں مختلف جہتوں سے مفاسد جمع ہیں، ان سے زمین میں بگاڑ پھیلتا ہے، معاشرہ کا چین غارت ہوتا ہے، اوران جرائم کے جذبات، لوگوں کے دلوں میں برابر ابھرتے رہتے ہیں، اور جب وہ دل میں رچ بس جاتے ہیں، تو لوگ ان سے بچ نہیں سکتے، ان میں ایسا ضرر ہے، کہ مظلوم، مجرم کو اپنی ذات سے ہٹا نہیں سکتا، اور وہ جرائم کثیر الوقوع ہیں اس قسم کے جرائم میں محض عذابِ آخرت سے ڈرانا کافی نہیں، مجرموں کو سخت ملامت کرنا، اور دردناک سزا دینا ضروری ہے، تاکہ وہ سزا لوگوں کی نگاہوں کے سامنے رہے، اور وہ ان کو ارتکابِ جرم سے باز رکھے۔

پانچ سنگین جرائم:

پہلا جرم:

زنا ہے، یہ گناہ، شہوت کی زیادتی، اور عورتوں کی خوبصورتی میں دلچسپی سے صادر ہوتا ہے، بدکاریوں کے

دلوں میں اس کی آز (حرص) ہوتی ہے،عورت کے خاندان کے لئے اس میں سخت عار ہے،اور بیوی میں دوسرے کی مزاحمت،انسانی فطرت کے خلاف ہے،اس سے قتل وقتال اور جنگ وجدال کا دروازہ کھلتا ہے،اور زنا عام طور پر باہمی رضامندی،اور تنہائی میں ہوتا ہے،جس سے عام طور پر لوگ واقف نہیں ہوسکتے،کہ وہ روک ٹوک کریں، پس اگر اس کے لئے دردناک سزا مقرر نہیں کی جائے گی،تو لوگ اس سے باز نہیں آئیں گے۔

دوسرا جرم:

چوری ہے، کچھ لوگوں کو کمائی کا اچھا راستہ نہیں ملتا،اس لئے وہ چوری کا دھندا شروع کردیتے ہیں، پھر جب چوری کی عادت پڑ جاتی ہے،تو اس کے لئے بے تاب رہتے ہیں،اور یہ کام اس طرح مخفی طور پر کیا جاتا ہے،کہ لوگ اس کو نہیں دیکھتے،کہ روکیں،اس لئے اس جرم کی بھی سخت سزا ضروری ہے،تاکہ لوگوں کے اموال محفوظ رہیں۔

تیسرا جرم:

راہ زنی ہے،مظلوم،راہ زن کو اپنی ذات اور اپنے مال سے ہٹا نہیں سکتا،کیونکہ راہ زنی صرف مسلمانوں کے شہروں میں،اور ان کے دبدبہ والے علاقوں میں ہی نہیں ہوتی،کہ لوگ یا پولیس مدد کرے،اس لئے ڈاکہ زنی کے لئے چوری سے بھی بھاری سزا ضروری ہے۔

چوتھا جرم:

شراب نوشی ہے،شرابی: شراب کا رسیا ہوتا ہے،اس سے زمین میں بگاڑ پیدا ہوتا ہے،اور لوگوں کی عقلیں ازکارِ رفتہ ہوجاتی ہیں،جبکہ عقل ہی پر دنیا وآخرت کی صلاح موقوف ہے،اس لئے یہ جرم بھی قابلِ سزا ہے۔

پانچواں جرم:

زنا کی تہمت لگانا ہے،جس پر زنا کی تہمت لگائی جاتی ہے،اس کو سخت اذیت پہنچتی ہے،اور وہ تہمت لگانے

والے کو دفع کرنے پر قادر نہیں ہوتا، کیونکہ اگر وہ اس کو قتل کرے، تو قصاصاً مارا جائے گا، اور مار پٹائی کرے، تو ترکی بہ ترکی جواب دیا جائے گا، پس اس جرم کے لئے بھی سخت سزا ضروری ہے۔

شراب نوشی کی سزا حدیثوں سے ثابت ہے، باقی چار سزائیں قرآن کریم میں مذکور ہیں، اور انہیں پانچ جرائم کی سزائیں "حدود" کہلاتی ہیں، باقی چھوٹے بڑے جرائم کی سزائیں "تعزیرات" کہلاتی ہیں، جو قاضی کی صوابدید پر موقوف ہیں، اور قصاص میں چونکہ معاف کرنے کا اختیار ہے، اس لئے وہ حدود میں شامل نہیں۔

زانیہ کے ذکر کی تقدیم کی وجہ:

قرآن کریم کا قاعدہ، بیانِ احکام میں یہ ہے، کہ اکثر مردوں کو مخاطب بنا کر احکام دیئے جاتے ہیں، عورتیں ان میں ضمناً شامل ہوتی ہیں، چنانچہ جگہ جگہ یأیُّھا الذِینَ آمَنُوْا سے خطاب کیا ہے، مگر کہیں خاص مواقع میں، خاص مصالح کی بنا پر مردوں کے بعد عورتوں کا بھی ذکر کیا جاتا ہے، جیسے سورۃ الاحزاب آیت نمبر: ۳۶ میں، دس مرتبہ مردوں کے ساتھ، عورتوں کا بھی ذکر کیا گیا ہے، مگر ان کا تذکرہ دوسرے نمبر پر کیا جاتا ہے، حدِّ سرقہ کے بیان میں بھی چوری کرنے والی عورت کا تذکرہ، چوری کرنے والے مرد کے بعد کیا گیا ہے، مگر یہاں زنا کی سزا کے بیان میں زانیہ کا تذکرہ پہلے کیا گیا ہے، اس کی وجہ کیا ہے؟

اس سلسلہ میں اولاً یہ بات جاننی چاہئے، کہ عام طور پر عورتوں کا تذکرہ اس لئے نہیں کیا جاتا، کہ وہ مستورات ہیں، لوگوں کے سامنے ان کا تذکرہ پردے کے منافی ہے، اور عربوں کا مزاج بھی یہی ہے، وہ مجالس میں عورتوں کا تذکرہ نہیں کرتے، صحابہ وتابعین کے سوانح (حالات) پڑھیں، ان کے لڑکوں کا تذکرہ آئے گا، مگر لڑکیوں کا تذکرہ شاذ و نادر ہی آئے گا، مگر کبھی عورتوں کی دلداری، یا حوصلہ افزائی کے لئے مردوں کے بعد ان کا بھی تذکرہ کیا جاتا ہے، روایات میں یہ بات آئی ہے، کہ خواتینِ اسلام نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا، کہ اللہ تعالیٰ ہم عورتوں کا تذکرہ کیوں نہیں کرتے؟ اس پر سورۃ الاحزاب کی آیت نمبر: ۳۶ نازل ہوئی، اور دس بار مردوں کے

ساتھ عورتوں کا بھی تذکرہ کیا گیا، اسی طرح جہاں غلط فہمی کا اندیشہ ہوتا ہے، وہاں بھی عورتوں کا صراحۃً ذکر کیا جاتا ہے، جیسے سزاؤں کے بیان میں یہ اندیشہ تھا، کہ عورتوں کو قابلِ رحم سمجھ لیا جائے، اور ان پر سزا جاری نہ کی جائے، اس لئے ان کی صراحت ضروری ہوئی، مگر ان کا تذکرہ مردوں کے بعد کیا جاتا ہے، صرف یہاں زانیہ کا تذکرہ پہلے کیا گیا ہے، اس کی وجوہ درجِ ذیل ہیں:

پہلی وجہ: وہی ہے، جو ابھی بیان کی گئی، کہ عورت طبعی طور پر کمزور، اور قابلِ رحم سمجھی جاتی ہے، اگر اس کا صراحۃً ذکر نہ کیا جاتا، تو اس غلط فہمی کا موقع تھا، کہ شاید عورت اس سزا سے مستثنیٰ ہو، اس لئے اس کی صراحت ضروری ہوئی، کہ عورت کو بھی سزا دی جائے، بلکہ وہ مقدم ہے۔

دوسری وجہ: یہ ہے کہ زنا ایک ایسی بے حیائی ہے، جس کا صدور عورت کی طرف سے ہونا انتہائی بے باکی، اور لاپرواہی کی علامت ہے، کیونکہ قدرت نے اس کے مزاج میں حیاء کا مادّہ رکھا ہے، اور اس کو عفّت کی حفاظت کا قوی جذبہ عطا فرمایا ہے، اس لئے اس کی طرف سے اس فعل کا صدور، مرد کی بہ نسبت زیادہ سنگین جرم ہے، اس لئے وہ سزا کی زیادہ مستحق ہے۔

تیسری وجہ: اس فعلِ شنیع کی محرک زیادہ تر عورت ہوتی ہے، اگر عورت کی رضامندی نہ ہو، تو مرد زبردستی تو کرسکتا ہے، اور اس صورت میں عورت پر کوئی سزا نہیں ہوتی، مگر باہمی رضامندی سے اس فعل کا وجود، اسی وقت ممکن ہے، جب عورت ڈورے ڈالے، یا کم از کم راضی ہو، اس لئے وہی سزا کی زیادہ مستحق ہے، اور اسی لئے اس کا ذکر مقدم کیا گیا ہے۔ واللہ اعلم۔

اجرائے حدّ پر تحریض:

اور یہ جو فرمایا کہ "تم کو اللہ کے دین کے معاملے میں، دونوں پر ترس نہ آئے، اگر تم اللہ پر، اور پچھلے دن (قیامت کے دن) پر ایمان رکھتے ہو" یہ حدّ جاری کرنے پر مثبت ومنفی پہلو سے تحریض (ابھارنا) ہے، چونکہ زنا کی

سزا بہت سخت ہے، اس لئے احتمال تھا، کہ سزا دینے والوں کو زانی، اور زانیہ پر رحم آجائے، اور وہ سزا نہ دیں، یا کم کردیں، اس لئے سزا کے ساتھ یہ حکم بھی دیا، کہ دین کے اس اہم فریضہ کی ادائیگی میں مجرموں پر رحم اور ترس کھانا جائز نہیں، مہربانی اور درگذر ہر جگہ محمود ہے، مگر مجرموں پر رحم کھانے کا نتیجہ، خلقِ خدا کے ساتھ بے رحمی ہے، اس لئے وہ ممنوع اور ناجائز ہے، یہ منفی پہلو سے تحریض ہے، اور مثبت پہلو سے یہ ارشاد ہے، کہ جب تم اللہ تعالیٰ پر، اور قیامت کے دن پر یقین رکھتے ہو، تو تمہیں اس حکم پر ضرور عمل کرنا چاھئے، تم عمل نہیں کروگے، تو اور کون عمل کرے گا؟ اور تم عمل نہیں کروگے، تو قیامت کا دن سامنے ہے، اس دن تمہاری پکڑ ہوگی۔

حدود میں جسمانی ایذاء کے ساتھ عار کی بات ملائی گئی ہے:

اور یہ جو فرمایا کہ "دونوں کی سزا کے وقت مؤمنین کا ایک گروہ حاضر رہے" یہ جسمانی سزا کے ساتھ عار کی بات ملائی گئی ہے، کیونکہ نفس دو طرح سے متأثر ہوتا ہے: جو نفس بہیمیت (حیوانیت) میں غلطاں پیچاں ہوتا ہے، اس کو جسمانی ایذاء، ارتکابِ جرم سے روکتی ہے، جیسے منہ زور بیل، اور اونٹ کو سخت مار شرارت سے روکتی ہے۔

اور جو نفس جاہ پسند اور عزت کا طالب ہوتا ہے، اس کو ایسی عار، جو گلے کا ہار بن جائے، جسمانی ایذاء سے بھی زیادہ گناہ سے روکتی ہے، اور جس پر حدّ جاری کی جاتی ہے، اس کا حال معلوم نہیں، کہ اس کا نفس کس قسم کا ہے، اس لئے حدود میں جسمانی تکلیف کے ساتھ عار کی بات بھی ملائی گئی، تاکہ کسی کو یہ چیز گناہ سے روکے، اور کسی کو وہ چیز، جب زانی اور زانیہ کو برملا کوڑے مارے جائیں گے، تو وہ کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہیں گے، یہ چیز ایک شریف آدمی کے لئے کوڑوں سے بھی زیادہ سخت سزا ہے، علاوہ ازیں اجرائے حدّ کا مشاہدہ لوگوں کے لئے بھی سامانِ عبرت بنے گا۔

محصن کے لئے رجم کی سزا:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دینِ حق کے ساتھ مبعوث فرمایا، اور

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اپنی کتاب نازل فرمائی، پس اللہ تعالیٰ نے جو آیات اتاریں، ان میں آیتِ رجم بھی تھی، اور خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رجم کیا، اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد ہم نے بھی رجم کیا، اور رجم اللہ تعالیٰ کی شریعت میں برحق سزا ہے، اس پر جس نے زنا کیا، جبکہ وہ شادی شدہ ہو، خواہ مرد ہو، یا عورت، جب گواہ قائم ہوجائیں، یا حمل ہو، یا اقرار" (متفق علیہ، مشکوٰۃ شریف حدیث نمبر: ۳۶۶۷) اور نسائی کی روایت میں ہے، کہ اگر یہ خطرہ نہ ہوتا، کہ کہنے والے کہیں گے، کہ عمر نے کتاب اللہ میں اپنی طرف سے کچھ بڑھا دیا، تو میں قرآن کے کسی گوشے میں اس کو لکھ دیتا آیتِ رجم، جس کی تلاوت منسوخ ہوگئی ہے، اور حکم باقی ہے، یہ ہے: **اَلشَّیْخُ وَ الشَّیْخَۃُ اِذَا زَنَیَا فَارْجُمُوْھُمَا الْبَتَّۃَ نَکَالاً مِنَ اللّٰہِ، وَ اللّٰہُ عَزِیْزٌ حَکِیْم**، یعنی محصن مرد اور محصن عورت، جب دونوں زنا کریں، تو دونوں کو قطعی طور پر سنگسار کردو، یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے عبرتناک سزا ہے، اور اللہ تعالیٰ زبردست حکمت والے ہیں۔ یہ آیت سورۃ الاحزاب میں تھی (فتح الباری شرح صحیح البخاری جلد نمبر: ۱۲ صفحہ نمبر: ۱۴۳)

محصن کے لئے رجم کی سزا دو وجہ سے ہے:

پہلی وجہ: بچپن اور بلوغ کے احکام مختلف ہوتے ہیں، بلوغ سے پہلے عقل ناتمام، اور جسم ناتواں ہوتا ہے، اور انسان بچہ شمار ہوتا ہے، مرد نہیں ہوتا، اس لئے وہ احکامِ شرعیہ کا مکلف نہیں ہوتا، اور بلوغ کے بعد عقل تام، اور جسم طاقتور ہوجاتا ہے، اور انسان مرد کہلانے لگتا ہے، اس لئے اس پر احکامِ شرعیہ لازم ہوتے ہیں، اسی طرح شادی سے پہلے اور شادی کے بعد احوال مختلف ہوتے ہیں، شادی سے پہلے اگرچہ آدمی عاقل، بالغ اور مرد ہوتا ہے، مگر ناتجربہ کار اور دوسرے کے ماتحت ہوتا ہے، اور شادی کے بعد صورتِ حال بدل جاتی ہے، اس لئے دونوں کے احکام مختلف ہیں، غیر شادی شدہ کا زنا بھی اگرچہ جرم ہے، مگر ہلکا، اس لئے اس کے لئے کوڑوں کی سزا تجویز کی گئی، اور شادی شدہ کا زنا سنگین جرم ہے، اس لئے اس کی سزا سنگسار کرنا مقرر کی گئی۔

دوسری وجہ: انسان کے لئے انسانیت ہی سب سے بڑا شرف ہے، پھر آزاد متزوج کو اللہ تعالیٰ نے مزید

پانچ نعمتوں سے سرفراز کیا ہے، اس کو آزادی، عقل، بلوغ اور دولتِ اسلام سے سرفراز کیا، اور ایسی ہی بیوی بھی عنایت فرمائی، جس کی صحبت سے سیری ہوجاتی ہے، پھر بھی اس کا حرمتِ خداوندی کی پردہ وری کرنا، ایسا جرم اور کفرانِ نعمت ہے، کہ اس کو صفحۂ ہستی سے مٹادینا ہی مناسب ہے۔

آیتِ رجم کی تلاوت منسوخ، اور حکم باقی ہے:

قرآن کریم میں نسخ ہوا ہے، سورۃ البقرہ آیت نمبر: ۱۰۶ میں اس کا ذکر ہے، اور اس پر امت کا اجماع ہے، پھر نسخ کی تین صورتیں ہیں، اول: بعض آیتوں کی تلاوت اور حکم، دونوں منسوخ ہوئے ہیں، دوم: بعض آیتوں کی صرف تلاوت منسوخ ہوئی ہے، اور حکم باقی ہے، سوم: بعض آیتوں کی تلاوت باقی ہے، اور ان کا حکم منسوخ ہوگیا ہے۔

پہلی قسم کی وجہ تو ظاہر ہے، باقی دو قسموں کی وجہ یہ ہے، کہ کبھی کسی آیت کا قرآن کریم میں باقی رکھنا مصلحت نہیں ہوتا، مگر اس کا حکم باقی رکھنا مقصود ہوتا ہے، اس لئے پہلے آیت نازل کی جاتی ہے، اور اس پر عمل شروع کرادیا جاتا ہے، پھر اس کی تلاوت منسوخ کردی جاتی ہے، جیسے نمازیں پہلے پچاس فرض کی گئی تھیں، پھر ان کو منسوخ کرکے پانچ باقی رکھیں، اس میں مصلحت تھی، رجم کی آیت بھی اسی قبیل کی ہے، اور بعض آیات میں مذکور حکم، اگرچہ عمومی احوال میں ختم کردیا جاتا ہے، مگر خصوصی احوال میں، یا کلی کے بعض افراد میں باقی ہوتا ہے، اس لئے ان کی تلاوت باقی رکھی جاتی ہے، ایسی آیتیں پندرہ بیس ہیں، جیسے ماں باپ اور رشتہ داروں کے لئے وصیت کرنے کا حکم، (سورۃ البقرہ آیت نمبر: ۱۸۰) اس آیت پر عمل اس وقت ضروری ہے، جب مرنے والے کو اندیشہ ہو، کہ اس کے بعد ورثاء ترکہ صحیح تقسیم نہیں کریں گے، زبردست سارے مال پر قبضہ کرلیں گے، ایسی صورت میں معروف طریقہ پر، یعنی حسبِ حصصِ شرعیہ، وصیت نامہ لکھ کر رجسٹرڈ کرنا ضروری ہے، تاکہ بعد میں بدعنوانی نہ ہو، یہ خصوصی احوال میں آیت پر عمل کی مثال ہے، اور جیسے روزوں کے فدیہ کا حکم، (سورۃ البقرہ آیت نمبر: ۱۸۴) شیخِ فانی کے حق

میں باقی ہے، یہ بعض افراد میں حکم باقی ہونے کی مثال ہے، غرض ان دونوں صورتوں میں آیت کی تلاوت باقی رکھی جاتی ہے، اور عمومی احوال میں اس کا حکم ختم کر دیا جاتا ہے۔

اور دوسری قسم میں نسخ کی مصلحت یہ ہے، کہ قرآن کریم صرف کتابِ احکام نہیں، بلکہ کتابِ دعوت بھی ہے، مسلم غیر مسلم سب اس کو پڑھتے ہیں، پس اگر اس میں رجم جیسی سخت سزا کا تذکرہ ہوگا، تو جو غیر مسلم اس کا مطالعہ کرے گا، سہم جائے گا، وہ آیت اس کے ایمان میں رکاوٹ بن جائے گی، وہ سوچے گا، کہ اگر میں نے قرآن کی دعوت قبول کی، اور ایمان لے آیا، تو فوراً سنگسار کر دیا جاؤنگا، کیونکہ وہ شادی شدہ اور زنا کار ہے، اس کے خیال میں اس کے لئے زنا سے بچنا ممکن نہیں، روایات میں حضرت ابوکبیر ہُذلی رضی اللہ عنہ کا واقعہ آیا ہے، جب انہوں نے اسلام قبول کرنے کا ارادہ کیا، تو زنا کی اجازت طلب کی، نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے سوال کیا: اگر کوئی شخص تمہاری بیٹی، یا بہن سے زنا کرے، تو تم اس کو پسند کروگے؟ انہوں نے کہا: ہرگز نہیں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: پھر تم جن عورتوں سے زنا کرتے ہو، وہ بھی تو کسی کی بیٹی یا بہن ہیں، اور ان کو بھی اس حرکت سے ویسی ہی اذیت پہنچتی ہے، جیسی تمہیں پہنچتی ہے، یہ بات ابوکبیرؓ کے سمجھ میں آگئی، عرض کیا: یا رسول اللہ! دعا فرمائیں، اللہ سبحانہ وتعالیٰ میرے دل سے زنا کا ہَوکا (شدید خواہش) نکال دیں، یا جیسے غیر مسلم کو شراب کا چسکا لگا ہوا ہوتا ہے، اب اگر شراب نوشی کی سزا کا تذکرہ کتابِ دعوت میں ہوگا، تو یہ بات دعوت کی راہ میں مانع بنے گی، حالانکہ اسلام قبول کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ دل پھیر دیتے ہیں، اور ایسی بری عادتیں چھوٹ جاتی ہیں، مگر قبولِ اسلام سے پہلے تک اندیشہ لگا رہتا ہے، چنانچہ شراب نوشی کی سزا کا بھی تذکرہ قرآن کریم میں نہیں کیا گیا، حدیثوں میں اس کی سزا کا بیان ہے، اور اسی حکمت سے رجم کی سزا کا تذکرہ قرآن کریم میں سے حذف کر دیا گیا۔

جو سزا سخت ہے، اس کا ثبوت بھی مشکل ہے:

زنا کی سزا سب سے زیادہ سخت ہے، اس لئے قانون میں اس کے ثبوت کے لئے شرائط بھی سخت رکھی گئی

ہیں، اگر ثبوتِ جرم میں ذرا بھی کمی رہ جائے، یا شبہ پیدا ہوجائے، تو حدّ اٹھ جاتی ہے، صرف تعزیری سزا، بقدرِ جرم دی جاتی ہے، چنانچہ تمام معاملات میں دو مردوں، یا ایک مرد اور دو عورتوں کی شہادت ثبوت کے لئے کافی ہوتی ہے، مگر حدِّ زنا جاری کرنے کے لئے چار مرد گواہوں کی عینی شہادت ضروری ہے، جس میں کوئی التباس نہ ہو، گواہوں نے واضح طور پر زنا دیکھا ہو، یہ نہایت مشکل امر ہے، پھر یہ بھی احتیاط برتی گئی ہے، کہ اگر شہادت کا نصاب پورا نہ ہو، یا گواہی صاف نہ ہو، تو گواہوں کی خیر نہیں، ان کو حدِّ قذف (جھوٹی تہمت لگانے کی سزا) اسّی کوڑے لگائی جائے گی، یہ بھی ایک ایسی سخت احتیاط ہے، کہ شبہ کی صورت میں کوئی شہادتِ زنا پر اقدام نہیں کرسکتا۔

سزا سے سزا کا ہوّا بہتر ہے:

یہاں سوال پیدا ہوتا ہے، کہ جب زنا کا ثبوت مشکل ہے، تو سزا مقرر کرنے کا کیا فائدہ؟ جواب یہ ہے، کہ سزا سے سزا کا ہوّا (مہیب صورت) بہتر ہے، خطرے کی تلوار کا لٹکا رہنا، معاشرہ کو برائیوں سے روکنے میں وہ کردار ادا کرتا ہے، جو سزا کا جاری کرنا نہیں کرتا، غیر مسلم ممالک (امریکہ، برطانیہ وغیرہ) کی صورتِ حال، اور اسلامی ملک (سعودیہ) کی صورتِ حال میں موازنہ کرنے سے، یہ بات بخوبی واضح ہوجائے گی، سورت (گجرات) کے ایک پروفیسر صاحب میرے پاس آئے، وہ لندن سے شائع ہونے والا ایک میگزین لے کر آئے تھے، اس میں اسلامی سزاؤں پر تنقید کی گئی تھی، پروفیسر صاحب نے کہا: میں اس کا جواب لکھنا چاہتا ہوں، مجھے معلومات درکار ہیں، میں نے کہا: یہ اعتراض واقعی ہے، اسلام میں تین چار جرائم کی سزائیں سخت ہیں، آپ اس کا کیا جواب دیں گے؟ وہ حیران رہ گئے، پھر میں نے ان سے عرض کیا، کہ آپ امریکہ اور سعودیہ کے ایک سال کے اعداد وشمار لائیں، کہ وہاں زنا، قتلِ ناحق اور چوری کی صورتِ حال کیا رہی؟ وہ ایک ہفتہ کے بعد دونوں ملکوں کا دس سالہ چارٹ بنا کر لائے، جس سے یہ بات سامنے آئی، کہ امریکہ میں ہر چار منٹ میں ایک قتلِ ناحق ہوتا

ہے، اور زنا اور چوری کی تو کوئی حد ہی نہیں، اور سعودیہ میں دس سال میں سنگساری کا ایک بھی واقعہ پیش نہیں آیا، چند لوگوں کو کوڑے مارے گئے، اور چند لوگوں کو قصاصاً قتل کیا گیا، یا چوری میں ہاتھ کاٹے گئے، تب میں نے کہا: یہ اُس مضمون کا جواب ہے، سزا سے سزا کا ہوّا بہتر ہے، سعودیہ میں چونکہ اسلامی سزاؤں کی تلوار لوگوں کے سروں پر لٹکی ہوئی ہے، اس لئے عورتوں کی عزت محفوظ ہے، قیمتی مال کی طرف کوئی نظر اٹھا کر نہیں دیکھتا، اور لوگوں کے خون رائیگاں نہیں جاتے، کیونکہ سرِ عام کوڑے کھانے سے ہر شخص ڈرتا ہے، اپنا ہاتھ ہر ایک کو پیارا ہے، اور قتل پر اقدام کرنے والا پہلے سوچ لیتا ہے، کہ قتل کے بعد میری بھی باری آئے گی، اور امریکہ میں چونکہ سزائیں ہلکی ہیں، اس لئے وہ جرائم کی روک تھام نہیں کرسکتیں۔

○❖○

شمعِ رسالت

احیاءِ سنت اور امت کی دینی اصلاح کی جدوجہد

حضرت مولانا محمد منظور نعمانی صاحبؒ

عَنْ بِلاَلِ بْنِ الْحَارِثِ الْمُزْنِيِ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَنْ أَحْيَا سُنَّةً مِنْ سُنَّتِي قَدْ أُمِيتَتْ بَعْدِي فَإِنَّ لَهُ مِنَ الأَجْرِ مِثْلَ أُجُورِ مَنْ عَمِلَ بِهَا مِنْ غَيْرِ أَنْ يَنْقُصَ مِنْ أُجُورِهِمْ شَيْئًا. (سنن الترمذی:۲۶۷۷)

ترجمہ:

حضرت بلال بن الحارث المزنی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے میری کوئی سنت زندہ کی، جو میرے بعد ختم کر دی گئی تھی (متروک ہوگئی تھی) تو اس شخص کو اجر وثواب ملے گا ان تمام بندگان خدا کے اجر وثواب کے برابر جو اس پر عمل کریں گے بغیر اس کے کہ ان عمل کرنے والوں کے اجر وثواب میں سے کچھ کمی کی جائے۔

تشریح:

اس حدیث کے مضمون کو اس مثال سے اچھی طرح سمجھا جا سکتا ہے کہ فرض کیجئے کسی علاقے کے مسلمانوں میں زکوۃ ادا کرنے کا یا مثلاً باپ کے ترکہ میں بیٹیوں کو حصہ لینے کا رواج نہیں رہا، پھر کسی بندہ خدا کی محنت اور جدوجہد سے اس گمراہی اور بددینی کی اصلاح ہوئی اور لوگ زکوۃ ادا کرنے لگے اور بیٹیوں کو شرعی حصہ دیا جانے لگا تو اس کے بعد علاقہ کے جتنے لوگ بھی زکوۃ ادا کریں گے اور بہنوں کو ان کا شرعی حق دینگے ان کو اللہ تعالی کی طرف سے اس عمل کا جتنا اجر وثواب ملے گا اس سب کے مجموعہ کے برابر اس بندے کو عطا ہوگا جس نے ان دینی احکام و

اعمال کو پھر سے زندہ کرنے اور رواج دینے کی جدوجہد کی تھی اور یہ اجر عظیم اللہ تعالی ہی کی طرف سے خصوصی انعام کے طور پر عطا ہوگا ایسا نہیں کہ عمل کرنے والوں کے اجر سے کاٹ کر اور کچھ کم کر کے دیا جائے۔اس کی ہمارے ہی زمانے کی ایک واقعاتی مثال یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کی دینی تعلیم وتربیت کے لیے یہ نظام قائم فرمایا تھا کہ ہر مسلمان، جوان ہو یا بوڑھا، امیر ہو یا غریب، پڑھا لکھا ہو یا بے پڑھا لکھا، دین کی ضروری واقفیت حاصل کریں اور دین پر چلے اور اپنے خیالات اور استطاعت کے مطابق دوسروں میں بھی اس کے لئے محنت اور کوشش کرے۔لیکن کچھ تاریخی اسباب کی وجہ سے مرور زمان کے ساتھ یہ نظام کمزور پڑتا رہا اور صدیوں سے یہ حال ہوگیا کہ علماء مخلصین اور خواص اہل دین کے بہت ہی محدود حلقہ میں دین کی فکر باقی رہ گئی ہے۔پھر ہمارے زمانے میں اللہ کے ایک مخلص بندے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک وفادار امتی نے دین کی فکر ومحنت کہ اس عمومی اور عوامی نظام کو پھر سے چالو کرنے اور رواج میں لانے کے لیے جدوجہد کی اور اپنی زندگی اسی کے لیے وقف کردی جس کا یہ نتیجہ آنکھوں کے سامنے ہے کہ اس وقت (جبکہ چودھویں صدی ہجری ختم ہوکر پندرہویں صدی شروع ہوئی ہے) دنیا کے مختلف ملکوں میں مسلمانوں کے مختلف طبقات کے وہ لاکھوں افراد جن کا دین سے نہ علمی تعلق تھا نہ عملی اور ان کے دل آخرت کے فکر سے بالکل خالی تھے۔

اب وہ آخرت ہی کو سامنے رکھ کر خود اپنی زندگی کو بھی اللہ ورسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے احکام کے مطابق بنانے اور دوسروں میں بھی اس کی فکر پیدا کرنے کے لئے محنت وکوشش کررہے ہیں اس راہ میں قربانیاں دے رہے ہیں اور تکلیفیں اٹھارہے ہیں۔

بلاشبہ احیاء سنت کی عظیم مثال ہے، اللہ تعالی اس کو قبول فرمائے، اور اس کے ذریعہ امت میں اور پھر پورے عالم انسانی میں ہدایت کو عام فرمائے۔ "وماذالک علی اللہ بعزیز"

○❖○

افاداتِ سعید

علمائے کرام، اور طلبائے عظام سے چند باتیں (قسط دوم)

حضرت اقدس مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالن پوریؒ
شیخ الحدیث وصدر المدرسین دار العلوم دیوبند

علومِ عالیہ چھ اور علومِ آلیہ غیر متعین ہیں:

علومِ شرعیہ چھ ہیں

۱. قرآن کریم

۲. احادیثِ شریفہ

۳. فقہ

۴. پھر قرآن کریم سمجھنے کے لئے اصولِ تفسیر، اصولِ تفسیر کے بغیر قرآن کریم نہیں سمجھ سکتے۔

۵. اور احادیث شریفہ کو سمجھنے کے لئے اصولِ حدیث، اصولِ حدیث کی رعایت کے بغیر آپ احادیث سے استفادہ نہیں کر سکتے۔

۶. اور قرآن وحدیث سے فقہ کیسے نکالنا ہے، اس کے لئے اصولِ فقہ ہے۔

یہ چھ علوم مدارسِ اسلامیہ کی غرض وغایت ہیں، انہی کے لئے مدارس قائم کئے گئے ہیں، یہی چھ علوم: علومِ عالیہ ہیں، باقی علوم: علومِ آلیہ ہیں، یعنی علوم حاصل کرنے کے ذرائع ہیں، جیسے صرف، نحو اور منطق علومِ آلیہ ہیں، اور سراجی کے لئے حساب جاننا ضروری ہے، پس حساب بھی علومِ آلیہ میں آئے گا، پھر جب بچہ بڑا ہوگا، تو ملک کے جس صوبے میں رہتا ہے، وہاں کی زبان جاننا ضروری ہے، اگر وہ انگریزی علاقہ میں رہتا ہے، تو انگریزی

ضروری ہے، ہندی کا علاقہ ہے،تو ہندی، گجراتی کا علاقہ ہے،تو گجراتی، کیونکہ علاقہ کی زبان نہیں جانے گا،تو زندگی کیسے گزارے گا؟ اورآج دنیا اتنی چھوٹی ہوگئی ہے، کہ ساری دنیا کے احوال آدمی کے سامنے آتے ہیں، اگر طالب علم جغرافیہ نہیں جانتا،تو بیچارہ دنیا سے ناواقف رہے گا، اس کی سمجھ میں نہیں آئے گا، کہ فلاں شہر کہاں ہے؟ حالانکہ وہ اس کے ملک سے لگا ہوا ہے، پس جغرافیہ بھی علومِ آلیہ میں آئیگا، تاریخ پڑھنا بھی ضروری ہے، اس کے بغیر آدمی ترقی نہیں کرسکتا، پھر ہر آدمی کو اللہ تعالیٰ نے ذہن الگ الگ دیا ہے، ایک درجہ پر سب کے اذہان نہیں ہوتے، ایک ذہین طالب علم کے لئے چار کتابیں کافی ہوتی ہیں، اور متوسط ذہن والے کو چھ کتابیں پڑھنی پڑتی ہیں، اور معمولی ذہن والے کو آٹھ کتابیں پڑھاتے ہیں، تب جاکر وہ ذہین کی جگہ لیتا ہے، اس لئے علومِ آلیہ کا نصاب متعین نہیں، اور اس کے پڑھنے کا وقت بھی ذہانت کے اعتبار سے کم وبیش ہوتا ہے۔

طلبہ کے پاس اپنی کتابیں ہونی چاہئیں:

آج کل تعلیم میں جو کمزوری آئی ہے، اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ طلبہ کے پاس اپنی کتابیں نہیں ہوتی، آٹھ سال پڑھا، مگر ایک بھی کتاب نہیں، ہمارے مدرسے طالب علم کے لئے ہر ضرورت مہیا کرتے ہیں، وظیفۂ پارچہ دیتے ہیں، وظیفۂ تیل دیتے ہیں، وظیفۂ پاپوش دیتے ہیں، مگر کتابیں نہیں دیتے، آج کونسا طالب علم ہے، جو بغیر جوتے کے گھوم رہا ہے؟ کونسا طالب علم ہے، جو ننگا گھوم رہا ہے؟ کونسا طالب علم ہے، جو لالٹین میں تیل ڈال کر مطالعہ کرتا ہے؟ کوئی بھی نہیں، مگر اپنی کتاب کسی طالب علم کے پاس نہیں؟ میں یہ نہیں کہتا کہ یہ وظیفے مت دو، ضرور دو! سب کچھ دو! مگر کتاب بھی تو دو! مالک بناؤ کتاب کا، البتہ شرط لگا سکتے ہو، کہ طالب علم اتنے نمبر لائے گا، تو یہ کتابیں ملی گیں، اس سے کم نمبر لانے والے کو اپنی کتاب خود خریدنی ہوگی، اس سے اس کا حوصلہ بڑھے گا؛ لیکن بہت زیادہ نمبروں کی قید نہ لگائیں، مثلاً اوسط نمبر کی قید لگائیں، تاکہ چند ہی طالب علم کتابوں سے محروم رہیں، باقی نمبروں کی شرط پوری کرلیں، مگر امتحان لینے والوں کو بھی پابند کرنا ہوگا، کہ صحیح نمبر دیں، اگر دریا دلی سے نمبر دیں

گے،تو شرط لگانا بیکار ہوجائے گا۔

الغرض مدارس کو دیگر وظائف کے ساتھ کتابیں بھی دینی چاہئیں،صرف پڑھنے کے لئے کتاب نہ دیں، مالک بنادیں، کیونکہ جب مدرسہ اس کتاب کومستعار دے گا،تو وہ اپنی کتابیں خرید کر کیوں جمع کرے گا؟ کتابیں مستعار دینے کا نتیجہ یہ ہے، کہ فضلاء میں کتابیں خریدنے کا شوق نہیں رہا، نہ رکھنے کا، اور نہ حفاظت کا سلیقہ ہے۔

کبھی الزامی جواب دینا مفید ہوتا ہے:

ایک آدمی نے سوال کیا: دن کی نمازیں سری، اور رات کی نمازیں جہری کیوں ہیں؟ میں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سنائی، کہ طالب علموں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے یہی بات پوچھی تھی، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: جونمازیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں سرّی پڑھائی ہیں، ہم بھی وہ نمازیں سرّی پڑھاتے ہیں، اور جونمازیں جہری پڑھائی ہیں، ہم بھی وہ نمازیں جہری پڑھاتے ہیں۔

یہ حدیث سنا کر میں نے سائل سے پوچھا: بتاؤ! دونمازیں سرّی اور تین نمازیں جہری کیوں ہیں؟ یہ بات حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ جانتے تھے، یا نہیں؟ اگر نہیں جانتے تھے، تو میرا علم حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے زیادہ نہیں، میں اس کو کہاں سے جانوں گا؟ اور اگر جانتے تھے، تو کیوں نہیں بتایا؟ لامحالہ یہی کہنا ہوگا، کہ طالب علموں کی علمی سطح اتنی بلند نہیں تھی، کہ وہ اس سوال کا جواب سمجھ سکتے، پس کیا آپ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے شاگردوں سے آگے ہیں؟ آپ کالج میں پڑھتے ہیں، علمِ دین برائے نام جانتے ہیں، اور وہ دین کے طالب علم تھے، حدیث شریف کے طالب علم تھے، پس اگر میں سمجھاؤں، تو کس طرح سمجھاؤں؟ اور آپ کیا سمجھیں گے؟ وہ خاموش ہوگیا، یہ بولتی بند کرنے کا طریقہ ہے، اور یہ طریقہ حضرت شیخ الہند قدس سرہ کا تھا، آپ پہلے الزامی جواب دیتے تھے، اور بولتی بند کردیتے تھے، پھر تحقیقی جواب دیتے تھے، جب تک معترض کے دماغ کی کھڑکیاں بند نہ کردیں، وہ جواب کی طرف متوجہ نہیں ہوتا، اس لئے پہلے الزامی جواب دے کر خاموش کردینا

چاھئے، پھر صحیح بات بتاؤ، تو وہ غور سے سنے گا، اور سمجھے گا، ورنہ محنت رائگاں جائے گی۔

مدارسِ اسلامیہ کی برکت:

مدارسِ اسلامیہ کا وجود حفاظتِ دین کا بڑا ذریعہ ہے، یہ وہ اسلامی قلعے ہیں، جو دین کی پناہ گاہ ہیں، جس جگہ مدارسِ اسلامیہ کا وجود نہیں، وہاں جا کر دیکھیں، اسلام کا کیا حال ہے، وہاں کی دینی حالت دیکھیں، تو مدارسِ اسلامیہ کی اہمیت کا بخوبی اندازہ ہوجائے گا، اسپین، تاشقند اور سمرقند (ازبکستان) کی حالت اسلام کی زبوں حالی کی منھ بولتی تصویر ہے، ہدایہ میں ایک جگہ ہے: اِنَّ أَعْلَامَ الاِسلام فیھا ظاھرۃ، ازبکستان کے دیہاتوں میں بھی اسلام کے جھنڈے لہرا رہے ہیں، مگر اب وہاں کچھ نہیں، میں سمرقند، تاشقند گیا ہوں، وہاں لوگ سلام کا جواب دینا بھی نہیں جانتے، مگر متحدہ ہندوستان (انڈیا، پاکستان اور بنگلہ دیش) کا نقشہ ان ممالک سے مختلف ہے، اور یہ برکت ہے مدارسِ اسلامیہ کی، جب اس ملک پر انگریزوں نے قبضہ کیا، تو اللہ تعالیٰ نے اہلِ اللہ کو الہام کیا، کہ چندے کے مدارس قائم کئے جائیں، اب اس ملک میں اسلام کی حفاظت کی یہی صورت ہے، اس سے پہلے چندے کے مدارس کا کوئی تصور نہیں تھا، حکومت ادارے قائم کرتی تھی، یا شخصی طور پر مدارس قائم ہوتے تھے، ایک ہی آدمی خرچہ چلاتا تھا، اب اللہ تعالیٰ نے قومی مدارس کا ذہن بنایا، تو مدارسِ اسلامیہ کا فروغ ہونا شروع ہوگیا، اب مدارسِ اسلامیہ بڑھتے چلے جارہے ہیں، آپ کو آج جگہ جگہ مسجدیں آباد مل رہی ہیں، مسلمان دینی وضع قطع میں ہیں، بے شمار آپ کو علماء مل رہے ہیں، اسلام پر کوئی حملہ ہو، مسلمان مدافعت کے لئے تیار ہیں، یہ نقشہ کیوں ہے؟ یہ مدارسِ اسلامیہ کی برکت ہے، یہ دینِ اسلام کی حفاظت کے قلعے ہیں، لہٰذا آپ اس نعمت کو زیادہ سے زیادہ مضبوط کرنے، اور زیادہ سے زیادہ فعال بنانے کی کوشش کریں، ان شاء اللہ تعالیٰ ہمارے لئے مفید ہوگا، اور اگر یہ مدرسے خدانخواستہ نہ رہے، تو پھر صورتِ حال وہی ہوگی، جو دنیا میں ہوچکی ہے۔

نصاب طلبہ کے قابو میں نہیں آتا:

واقعہ یہ ہے کہ مدارسِ عربیہ کا نصاب پوری طرح بچوں کے قابو میں نہیں آتا، اور اسی مسئلہ کو لے کر آج کا اجتماع منعقد کیا گیا ہے، خطبۂ استقبالیہ میں اس کا تذکرہ ہے، کہ آج طلبہ کی استعدادیں نہیں بن رہیں، اس کی وجہ کیا ہے؟ جاننا چاہئے کہ استعداد عربی پنجم تک بنتی ہے، پھر بوئے ہوئے درخت کا پھل کھانا ہے، استعداد بن گئی، تو آگے طالب علم دیوار میں سے علم نکال لے گا، کمزور استاذ سے بھی پڑھ کر کتاب سمجھ لے گا، اور اگر اس درجہ تک استعداد نہیں بنی، تو آگے جھینکنا ہے، ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ تعالیٰ بھی بخاری شریف پڑھا کر اس کو عالم نہیں بنا سکتے، بس وہ فارغ ہوکر رہ جائے گا، کسی کام کا نہیں بنے گا، چنانچہ مسلسل آوازیں اٹھتی ہیں، کہ طلبہ کو کسی کام کا بناؤ! مدارس کا نصاب بدلو، کچھ دنیا کی ضرورتیں نصاب میں شامل کرو، تاکہ طلبہ کسی کام کے بنیں، مگر یہ مسئلہ کا حل نہیں، مجھے حضرت الاستاذ علامہ ابراہیم بلیاوی صاحب قدس سرہ، سابق صدر المدرسین دار العلوم دیوبند کی بات یاد آئی، جب بھی نصاب میں تبدیلی کی بات آتی، تو آپ فرماتے:

"مولوی صاحب! تعلیم کی خوبی تین باتوں کی مرہون منت ہے، ایک: استاد کی مہارت فن، دوسری: طالب علم کی محنت، تیسری: نصاب کی عمدگی، اب صورت یہ ہے کہ اساتذہ سے کوئی کچھ نہیں کہہ سکتا، وہ سر پھوڑ دیں گے، اور طلبہ سے بھی کوئی کچھ نہیں کہہ سکتا، وہ بھڑوں کا چھتہ ہیں، اب رہ گیا بے زبان نصاب، کان پکڑ کر کبھی اِدھر کر دیا، کبھی اُدھر کر دیا، مگر مسئلہ حل نہیں ہوتا۔"

یعنی نصاب تیسرے درجہ کی چیز ہے، پہلی چیز: اساتذہ کی مہارتِ فن ہے، پہلے اساتذہ ماہرِ فن ہوتے تھے، تو طلبہ جید الاستعداد نکلتے تھے، اب اساتذہ ہی ناقص ہیں، خاص طور پر ابتدائی درجات کے اساتذہ، وہ ابھی فارغ ہوئے ہیں، خود ان کے قابو میں فن نہیں، وہ طلبہ کو صاحبِ فن کس طرح بنا دیں گے، وہ ابتدائی کتابیں پڑھاتے ہیں، اور پڑھا کر بھول جاتے ہیں، خود ان کو کتاب یاد نہیں ہوتی، وہ فن کے مسائل کا اجراء کیسے کرائیں گے؟ اور طلبہ کی اکثریت پڑھنے نہیں آتی، ماں باپ کے نیک جذبات سے مولوی بننے آتی ہے، اور مدرسہ میں

پڑی رہتی ہے، پھر پڑھے بغیر، اور کتاب یاد کئے بغیر استعداد کیسے بنے گی۔

اور عربی پنجم تک کا نصاب اتنا سمیٹ دیا گیا ہے، اور مضامین کی اتنی بھر مار ہوگئی ہے، کہ طالب علم یاد کرنا چاہے، تو بھی یاد نہیں کرسکتا، پس مسئلہ کا حل یہ ہے، کہ ابتدائی نصاب بڑھایا جائے، پانچ سال کے چھ سال کئے جائیں، ابتدائی اساتذہ تجربہ کار ہوں، فن ان کے قابو میں ہو، اور طلباء کو بھی لایعنی مشاغل سے ہٹا کر پڑھنے میں لگایا جائے، ابتدائی درجات کا امتحان ہر ماہ لیا جائے، اور اس پر ترغیب وترہیب کے نتائج مرتب ہوں، تو کچھ امید باندھی جاسکتی ہے، کہ پختہ استعداد والے طلبہ تیار ہوں۔

اور ہاں ایک بات یاد آئی: تعلیم میں تدریج ضروری ہے، نیچے کے درجے سے اوپر کے درجے میں حقیقی معنیٰ میں کامیاب چڑھے گا، تبھی آگے کامیاب ہوگا، اور اگر بے استعداد ایک درجہ آگے بڑھ گیا، تو ساری تعلیمی زندگی برباد ہوگئی، اب اگلے درجے میں نہ کچھ سمجھے گا، نہ اس کی محنت کا کچھ حاصل نکلے گا۔

مثلاً: اردو کی پختہ استعداد کے بغیر بچے کو فارسی میں لے لینا، یا فارسی کی ضروری استعداد کے بغیر، عربی میں لے لینا، بچے کی زندگی کو تباہ کرنا ہے، خاص طور پر ان صوبوں کے بچے، جن کی مادری زبان اردو نہیں ہے، ان کو اردو خوب پڑھانی ضروری ہے، زبان رواں ہوجائے، بچہ بات سمجھ سکے، اور سمجھا سکے، اور اس کی املاء درست ہوجائے، تبھی اس کو فارسی میں لیا جائے، اور اہلِ لسان کے بچے فارسی کم پڑھیں، تو چلے گا، مگر غیر اہلِ لسان بچے اگر فارسی اچھی طرح نہیں پڑھیں گے، تو وہ کبھی اردو میں کامیاب نہیں ہوسکتے، کیونکہ

اردو میں لغات وتراکیبِ فارسی مستعمل ہیں، پس اہلِ لسان بچہ تو اپنی فطرت سے اردو سمجھ لے گا، مگر گجرات، مہاراشٹر، بنگال، آسام، تمل ناڈو اور کیرالہ کا بچہ فارسی پڑھے بغیر کبھی بھی اردو میں قادر نہیں ہوسکتا، اسی طرح عربی اول جب تک بچے کے قابو میں نہ آجائے، عربی دوم میں نہ لیا جائے، درجہ بدرجہ استعداد بنتی جائے گی، اور بڑھتا جائے گا، تو بچہ کامیاب ہوگا، خلاصہ یہ ہے کہ اردو، فارسی اور عربی اول تا پنجم کی تعلیم میں

سنجیدگی ہو، ہزل کی صورت نہ ہو، تبھی کسی مثبت نتیجہ کی امید کی جاسکتی ہے۔

نصاب میں تبدیلی کہاں کی جاسکتی ہے؟

مدارسِ عربیہ کا نصاب دو حصوں میں منقسم ہے: عالیہ اور آلیہ، یعنی مقصود بالذات، اور مقصود تک پہنچنے کا ذریعہ، صرف ونحو، انشاء، عربی زبان، منطق وغیرہ علومِ آلیہ ہیں، اور قرآن (تفسیر)، حدیث، فقہ، اصولِ تفسیر، اصولِ حدیث اور اصولِ فقہ، عالیہ اور مقصود بالذات ہیں، علومِ آلیہ پر مشتمل نصاب ہر وقت بدلا جاسکتا ہے، حسن سے احسن کی طرف بڑھا جاسکتا ہے، البتہ اس کا خیال رکھنا ضروری ہے، کہ جو کتابیں استعداد بنانے والی ہیں، ان کو القط نہ کردیا جائے، جیسے منطق کے بارے میں اب عام تصور یہ ہے، کہ یہ غیر ضروری فن ہے، حالانکہ یہ فن تشحیذِ اذہان کے لئے ہے، اس سے ذہن تیز ہوتا ہے چھری میں دھار نہ ہو، تو خربوزہ کیسے کٹے گا؟ اگر آپ کو منطق پسند نہیں، تو اس کا متبادل تجویز کرو، جو ذہن میں جلا پیدا کرے، ذہن کی بالیدگی کے بغیر، علومِ عالیہ کو بخوبی نہیں سمجھا جاسکتا، اور علومِ عالیہ میں کوئی تبدیلی نہیں کی جاسکتی، ہدایہ کا کیا بدل ہے؟ مختصر المعانی کا کیا بدل ہے؟ جلالین کا، اور کتبِ حدیث کا کیا بدل ہے؟ البتہ یہ ضروری ہے کہ طالبِ علم کی استعداد ایسی بن جائے، کہ وہ یہ کتابیں سمجھ سکے، اگر استعداد کچی رہے گی، تو علومِ عالیہ کی یہ کتابیں پڑھانا بے فائدہ ہوگا۔

علم کلام اور اسلامی مسائل:

ابھی صدرِ استقبالیہ نے اپنے خطبہ میں کہا، کہ شرح عقائد میں عذابِ قبر پڑھانی چاہئے، کیونکہ اس سے پہلے جو مضامین ہیں، وہ طلبہ کے قابو میں نہیں آتے، وہ بہت دقیق مضامین ہیں، ذات وصفات کی بحثیں طلبہ نہیں سمجھ سکتے۔

میرے بھائیو! عذابِ قبر پر تو علمِ کلام ختم ہوجاتا ہے، اس کے بعد اسلامی مسائل شروع ہوتے ہیں، اور وہ بدلتے رہتے ہیں، ان کو پڑھانا علمِ کلام پڑھانا نہیں، اور شرح عقائد علمِ کلام میں ہے، پس اگر سابقہ ابحاث چھوڑ

دیں گے،تو آپ نے علمِ کلام نہیں پڑھایا، اور شرح عقائد کو نصاب میں رکھنے کا مقصد فوت کر دیا۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ علمِ کلام ذات وصفات کے مسائل کا نام ہے، اب عربوں نے نام بدل دیا ہے، وہ علمِ کلام کو علم التوحید والصفات کہتے ہیں، اور اب تک اس کو علم الکلام اس لئے کہتے تھے، کہ معتزلہ نے سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کی صفتِ کلام کی بحث چھیڑی تھی، وہ کہتے تھے، کہ قرآن مخلوق (حادث) ہے،

یعنی یہ اللہ تعالیٰ کی صفت نہیں ہے، امام اہل السنہ احمد بن حنبل رحمہ اللہ تعالیٰ نے ان کا رد کیا، کہ قرآن کریم اللہ تعالیٰ کا کلام ہے، اور غیر مخلوق (قدیم) ہے، اللہ تعالیٰ کی صفت، حادث نہیں ہوسکتی، یہ بحث اتنی طویل ہوئی، کہ پورے فن کا نام ہی علم الکلام پڑ گیا۔

بہرحال ذات وصفات کے مسائل کا نام علم العقائد ہے، اور ان کا بیان شرح عقائد میں عذابِ قبر پر پورا ہوجاتا ہے، پھر اسلامی مسائل کا بیان شروع ہوتا ہے، علم کلام میں مقصدی حیثیت سے صرف کائنات کے مبداؤ معاد سے بحث کی جاتی ہے، اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات اور معاد کے مسائل ہی زیرِ بحث آتے ہیں، مثلاً: خدا تعالیٰ کا اثبات، مسئلۂ توحید، صفاتِ خداوندی کا بیان، صفاتِ سلبیہ کا تذکرہ، صفات نہ عینِ ذات ہیں نہ غیرِ ذات، صفتِ کلام کی بحث، اور ضمناً قرآن کریم کے کلامِ الٰہی ہونے کا تذکرہ، رویتِ باری تعالیٰ کا مسئلہ، خلقِ افعالِ عباد کا تذکرہ، اور معاد کے سلسلہ میں برزخ کے احوال، جنت ودوزخ، حشر ونشر، جزاء وسزا کا بیان، اور علامتِ قیامت کا ذکر، بس یہی علمِ کلام کے مسائل ہیں۔

پھر اسلامی مسائل کا تذکرہ شروع ہوتا ہے، اسلامی مسائل: وہ ہیں کہ مختلف الخیال، اور مختلف المذاہب لوگوں کی باہمی گفتگو میں مذہب کی ضرورت، اس کی حقانیت اور ترجیح کے سلسلہ میں، جو تاریخی، اخلاقی، تمدنی اور علمی مسائل زیرِ بحث آتے ہیں، ان کے متعلق اسلام نے، جو تعلیمات پیش کی ہیں، ان کو زیرِ بحث لایا جائے، تاکہ طلباء بابصیرت ہوں، اور علمی گفتگو میں دوسروں کو متاثر کرسکیں، عذابِ قبر سے یہی اسلامی مسائل شروع

ہوتے ہیں، بہرحال شرح عقائد کا جو مشکل حصہ ہے، وہی مقصود ہے، مگر وہ پختہ استعداد بنائے بغیر طلبہ کے قابو میں نہیں آسکتا، اور استعداد سازی کا عمل عربی پنجم تک ہے، اس کے بعد تو بوئے ہوئے کا پھل کھانا ہے، اربابِ فکر اور مدارس کے ذمہ داران، یہاں جمع ہیں، ان کی توجہ اس طرف مبذول کرانا چاہتا ہوں، کہ کمی جہاں آئی ہے، اس کو دور کرنے کی کوشش کریں، ورنہ یہ اجتماع بے فائدہ رہے گا۔

تکمیل کے درجات سے نقصان کی تلافی نہیں ہوسکتی:

ملت کے اکابر مدارس میں جو کمی آئی ہے، اس کا علاج یہ سوچتے ہیں، کہ دورہ کے بعد تکمیل کے چند درجات کھول دیئے جائیں، تاکہ استعداد کے نقصان کی تلافی ہوجائے، تکمیلِ فقہ، دارالافتاء، تکمیلِ ادب، تکمیلِ تفسیر تکمیلِ علوم، تخصص فی الحدیث اور تخصص فی الادب کے درجات شروع کئے جائیں، تو درس نظامی کی تعلیم میں جو کمی آئی ہے، اس کی تلافی ہوسکتی ہے، اور تکمیلات کا یہ عمل جامعات میں شروع بھی ہوگیا ہے، مگر تجربہ سے یہ بات ثابت ہوئی ہے، کہ اس سے نقصان کی کوئی تلافی نہیں ہوتی، اس کی مثال یہ ہے کہ ایک آٹھ منزلہ عمارت ہے، جو بوسیدہ ہوگئی ہے، اس کو مضبوط کرنے کی یہ صورت نہیں ہے، کہ اس پر تین چار منزلیں اور چڑھا دی جائیں، اس سے تو عمارت اور کمزور ہوجائے گی، اس کا علاج تو بس یہی ہے، کہ عمارت ازسرِ نو مضبوط بنائی جائے، یا اس کی مرمت کرکے کسی قابل بنائی جائے، جب تک استعداد سازی کے مرحلہ کی طرف توجہ نہیں دی جائے گی، مسئلہ حل ہونے والا نہیں۔

دارالافتاؤں کی باڑ:

آج کل ہمارے ملک میں، اور پڑوس کے دونوں ملکوں میں دارالافتاؤں کی باڑ آئی ہوئی ہے، بلکہ اب نئے مدارس دارالافتاء سے شروع ہوتے ہیں، اور داخلہ کے لئے کوئی استعداد ضروری نہیں، ہر فارغ داخلہ لے سکتا ہے، اور چند ماہ میں مفتی بن جائے گا، اور خوش فہمی میں مبتلا ہوجائے گا، کہ اسے سب کچھ آگیا، اور لوگ بھی اس سے

مسائل پوچھنے لگیں گے،اور وہ ضَل وَ اضَل کا مصداق بن جائے گا،مگر مدارس میں استعداد سازی پر محنت کرنے والا کوئی نہیں،اس مدرسہ کو چھوٹا مدرسہ سمجھا جاتا ہے، چندہ بھی اس کو کم ملتا ہے،اس لئے ہر شخص دورہ، یا دارالافتاء کھول کر بیٹھ جاتا ہے، یہ جو طریقہ تیزی سے چل پڑا ہے، یہ بھی تباہی کا پیش خیمہ نظر آتا ہے۔

عصری درسگاہوں اور مدارس کے علوم میں فرق:

عصری درسگاہوں (یونیورسٹیوں) میں محسوسات کا علم پڑھایا جاتا ہے،اور وہ محدود ہے،طالب علم پڑھ کر نکلتا ہے،اور کام شروع کر دیتا ہے، پھر تجربات سے اس کے علم میں اضافہ ہوتا ہے،اسے آگے کچھ نہیں پڑھنا،اور مدارس میں معنویات کا علم پڑھایا جاتا ہے،اور وہ غیر محدود ہے،پس سارا علم مدارس میں نہیں پڑھایا جاسکتا، بلکہ علم حاصل کرنے کی استعداد بنائی جاتی ہے،جس سے زندگی بھر کام لینا ہے،اور آگے پڑھنا ہے،اور ایک لمبے عرصے کے بعد مسائل کا ادراک ہوتا ہے،مگر اب تو لوگ فارغ اور فاضل ہوجاتے ہیں،آگے پڑھنا چھوڑ دیتے ہیں،اور ان کا حال اس نادان بچے کا ہوکر رہ جاتا ہے،جس نے بچا ہوا تیل کٹورے کے پیندے میں ڈلوایا تھا،جس سے اصل کٹورے کا تیل بھی گر گیا تھا، کچھ ہی دنوں میں مدرسہ سے، جو متاع لے کر آئے تھے، وہ بھی بھول گئے،اور کٹورہ خالی رہ گیا۔

○❖○

حالاتِ حاضرہ

موجودہ حالات میں علماء سے مطلوب کردارِ عزیمت

حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب
مہتمم المعہد العالی الاسلامی، حیدرآباد

اگر ہم گذشتہ چند صدیوں کی تاریخ کا مطالعہ کریں تو ہم دیکھیں گے کہ صلیبی جنگوں کے خاتمہ کے بعد ایک دور ایسا گذرا، جب عیسائی دنیا پستی اور تنزلی کے دلدل میں پھنسی رہی، پھر جب اس وقت کی ترقی یافتہ قوم امت مسلمہ سے علم کی روشنی اسپین کے راستہ یورپ تک پہنچی تو مغرب نے ایک نئی کروٹ لی اور اس کی بیداری صنعتی ترقی کے اس عظیم واقعہ کی شکل میں ظاہر ہوئی، جس کا تسلسل اب تک جاری ہے، مغرب کی مادی اور علمی ترقی نئی نئی منزلیں فتح کررہی ہے اور مسلسل آگے کی طرف جاری ہے اور مسلمانوں کے ادبی اور علمی زوال کی داستان بھی دراز سے دراز تر ہوتی جارہی ہے، اس ترقی کا سہارا لے کر ایک نئی صلیبی جنگ استعماریت کی شکل میں شروع ہوئی، جس نے ایشیا و افریقہ اور خاص کر عالم اسلام کے بڑے حصے کو فتح کرتے ہوئے اسے اپنی نو آبادی بنالیا، یہ استعماریت آخر اس وقت تک جاری رہی، جب تک خلافت عثمانیہ کا سقوط نہ ہوگیا اور عالم اسلام کی وحدت کو پارہ پارہ کرنے کی کوشش کامیاب نہ ہوگئی۔

اس کے بعد آہستہ آہستہ مسلم ممالک کو آزادی نصیب ہوئی؛ لیکن اکثر و بیشتر یہ نام نہاد آزادی تھی، ان کے گلے میں غلامی کا ایسا طوق پہنایا گیا، جو آنکھوں کو نظر نہ آئے؛ لیکن وہ صرف جسم ہی کی غلامی نہ ہو؛ بلکہ دل و دماغ کی بھی غلامی ہو، جس میں ایک قوم خود اپنے بارے میں فیصلہ کرتی ہوئی نظر آئے؛ لیکن اس کی حیثیت اس جہاز کی ہو جسے ریموٹ کے ذریعہ کنٹرول کیا جاتا ہے، اسی دور میں کارل مارکس نے کمیونزم کا صور پھونکا اور دنیا کے

دو بڑے ممالک روس، چین اس نئے فلسفۂ حیات اور نظام معیشت پر ایمان لے آئے، کمیونزم سرمایہ داری کے خلاف اعلان جنگ تھا، اب دنیا میں فکری اعتبار سے تین فریق بن گئے، مغرب کا سرمایہ دارانہ نظام، مشرق کا اشتراکی نظام اور اسلام، اگر چہ ان دونوں نظام ہائے حیات کو اسلام سے بغض تھا؛ لیکن چوں کہ عالم اسلام اپنی پستی اور کمزوری کی وجہ سے کمزور دشمن شمار کیا جاتا تھا؛ اس لیے اصل سرد جنگ مغربی قوتوں اور اشتراکیت کے حامل مشرقی ملکوں کے درمیان قائم رہی، اس سے ایک توازن قائم تھا، بغض وعناد رکھنے کے باوجود یہ دونوں بڑی طاقتیں مسلم ملکوں کو اپنا ہم نوا رکھنا چاہتی تھیں، اور چوں کہ سرمایہ دارانہ نظام کے حامل ممالک مذہب کی بالکل نفی نہیں کرتے تھے؛ اس لیے کمیونسٹ ملکوں کے مقابلہ میں عالم اسلام اور مسلمان مغربی قوتوں سے زیادہ قریب رہے، مغربی اقوام نے بھی یہ رویہ رکھا کہ وہ علی الاعلان کمیونزم کے خلاف تو بولتے تھے اور اپنے ذرائع ابلاغ کو بھی ان کے خلاف خوب خوب استعمال کرتے تھے؛ لیکن اسلام اور مسلمانوں کو براہ راست نشانہ بنانے میں کسی قدر رعایت سے کام لیتے تھے۔

کمیونزم کی بنیاد ایسے اصولوں پر تھی، جو پوری طرح فطرت سے متصادم تھے؛ اس لیے صرف ستر سال کے اندر ہی اس کی جائے پیدائش ہی اس کا مدفن بن گیا، اس نظام کا سب سے بڑا نمائندہ ملک اور دوسری سوپر طاقت ''روس'' خود اپنی وحدت کو بچا نہیں سکا اور اس کے ٹکڑے ہو گئے، اب دنیا میں دو ہی تصورات باقی رہ گئے، ایک اسلام، دوسرے مغربی تہذیب اور مغرب کا سرمایہ دارانہ نظام، دشمن کا مقابلہ کرنے اور کسی فکر کے تحفظ میں دو طرح کے لوگوں کا اہم کردار ہوتا ہے، ایک: حکومتوں کا، جن کے پاس فوجی طاقت ہوتی ہے، جن کے پاس مادی وسائل ہوتے ہے، جو زروزمین کی مالک ہوتی ہیں، جو ٹکنالوجی کی حامل ہوتی ہیں، اس کو وجود میں لانے اور ترقی دینے کا کام انجام دیتی ہے اور اس کے لیے وسائل فراہم کرتی ہیں، دوسرے: وہ لوگ جو اس فکر کے ترجمان اور اس کے شارح ہوتے ہیں، جو فکری اعتبار سے اس کا دفاع کرتے ہیں، جو اپنی زبان اور قلم کے ذریعہ عوام کو اس

سے وابستہ رکھتے ہیں، کسی بھی فکر کے بقااور کسی بھی نظام کے دوام واستحکام کے لئے ان دونوں طبقوں کی بڑی اہمیت ہوتی ہے، ایک کے پاس فولاد کی طاقت ہوتی ہے، دوسرے کے پاس علم کا ہتھیار رہوتا ہے، ایک نوک شمشیر سے میدان سر کرتا ہے، دوسرا زبان وقلم سے، ایک زمین کو فتح کرتا ہے اور دوسرا دل ودماغ کو۔

چنانچہ اب مشرق ومغرب کی پوری طاقت اسلام، مسلمان اور عالم اسلام کی طرف متوجہ ہے، مسلم حکومتوں کو زیر کرنے میں انھیں کچھ زیادہ دشواری پیش نہیں آئی؛ کیوں کہ خلافت عثمانیہ کے ختم ہونے کے بعد پورے عالم اسلام میں کوئی ایسی طاقت باقی نہیں رہی، جو مغرب کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کر سکے، ان کو مزید کمزور کرنے کے لئے دو خصوصی تدبیریں اختیار کی گئیں، ایک یہ کہ ان کے زیارہ سے زیادہ ٹکرے کر دیے گئے، اتنے چھوٹے چھوٹے مما لک بنا دیے گئے کہ بعض شہر بھی ان میں سے بعض ملکوں سے بڑے ہوں گے، اس طرح ان کی طاقت ٹوٹ گئی، قدرتی وسائل بٹ گئے، افرادی وسائل کم ہو گئے اور یہ بھی کوشش کی گئی کہ ان ملکوں کو پروانہ آزادی دیتے ہوئے سرحدوں کا اختلاف باقی رکھا جائے، اس اختلاف کے ذریعہ ان کے درمیان نفرت کی بیج بوئی گئی اور اسے مسلسل پروان چڑھایا گیا، آج اکثر مسلم مما لک کی یہی صورت حال ہے، سعودی عرب اور کویت اور سعودی عرب اور یمن کے درمیان سرحد کا اختلاف موجود ہے، قطر اور بحرین کے درمیان جھگڑا ہے، کویت کو عراق سے اور متحدہ عرب امارات کی ایران سے لڑائی ہے، مصر اور سوڈان کے درمیان اختلاف ہے، خود سوڈان میں عرب اور غیر عرب قبائل کے درمیان نزاع ہے، فلسطین کی چھوٹی سی نامکمل حکومت کے دو حصے بنے ہوئے ہیں، شام اور ترکی کو ایک دوسرے سے بغض ہے، کرد، عراق، ترکی اور شام سے نبرد آزما ہیں، پاکستان اور افغانستان کے درمیان کدورتیں ہیں، بنگلہ دیش میں حکومت اور اپوزیشن کے درمیان معرکۂ کارزار گرم ہے، غرض شرق بعید کے دو تین مسلم ملکوں کو چھوڑ کر تمام ہی مسلم مما لک اپنے مسلمان پڑوسی ملکوں سے یا ملک کے اندر دو طبقے ایک دوسرے سے برسر جنگ ہیں۔

دوسرا طریقہ یہ اختیار کیا گیا کہ مسلم ممالک کو حقیقی جمہوریت سے دور رکھا گیا؛ تاکہ وہاں ایسے لوگ نہ آجائیں، جو اسلام پسند ہوں اور مغربی تہذیب کے مقابلہ شریعت اسلامی کو نافذ کرنا چاہتے ہوں؛ اسی لئے انگلی پر گنے جانے والے تین چار مسلم ممالک کو چھوڑ کر تمام ملکوں میں دو طرح کے حکمراں تخت اقتدار پر مسلط ہیں، ایک وہ جو خاندانی بادشاہت کے نمائندہ ہیں، وہاں ایک خاندان کو ملک کے عوام اور اس کے وسائل کا مالک سمجھا جاتا ہے، وہ پیدائشی طور پر حکمراں ہوتا ہے، اس کی زبان قانون ہوتی ہے، عوام کی نہ حکومت میں شرکت ہوتی ہے اور نہ ان کی رائے کو کوئی اہمیت دی جاتی ہے، ہاں، اگر اس حکمراں کے اندر ذاتی طور پر اللہ کا خوف، دین کی عظمت اور اپنے عوام کی محبت ہے تو اس کا رویہ بہتر ہوتا ہے؛ لیکن چوں کہ یہ کسی نظام کا نتیجہ نہیں ہے؛ بلکہ ایک شخص کے انفرادی اخلاق واوصاف کا اثر ہے؛ اس لئے اس میں دوام واستمرار باقی نہیں رہتا۔

دوسرے قسم کے ممالک وہ ہیں، جہاں کسی فوجی جنرل نے اقتدار پر قبضہ کیا، پھر وہ ڈکٹیٹر بن گیا اور اس کے بعد یہ ڈکٹیٹرشپ اس کی نسلوں میں منتقل ہوتی رہی، عوام کے اختیار میں نہیں ہے کہ وہ جمہوری طور پر ان سے نجات پاسکیں، ان کے لئے نجات کی دو ہی صورتیں ہیں: یا تو کوئی فوجی یا ظلم وستم سے عاجز شخص تشدد کے ذریعہ اس کا خاتمہ کردے، یا اللہ تعالیٰ اس کو اُٹھالیں، ان ملکوں کا حال بھی پہلی قسم کے ملکوں سے مختلف نہیں؛ بلکہ زیادہ بُرا ہے، ان دونوں طرح کی حکومتوں میں مغربی طاقتوں نے اپنی سازشوں کے ذریعہ اس بات کی کامیاب کوشش کی ہے کہ یہ اصحاب اقتدار ان کا کھلونا بن کر رہیں، وہ نام کے مسلمان ہوں؛ لیکن پوری طرح مغربی افکار، مغربی تہذیب اور مغربی طرز حیات کے نمائندہ ہوں، ان کی زبان حق بولنے سے خاموش رہے، اس کو ٹکنالوجی سے محروم رکھ کر بنا بنایا سامان فراہم کیا جائے، ان کے وسائل سے بھرپور فائدہ اٹھایا جائے اور پھر قرض دے کر ان پر احسان جتایا جائے، ان کے ذریعہ عوام پر ظلم وستم کئے جائیں، جو لوگ اسلامی اور شریعت اسلام کا نام لیتے ہیں، انہیں دبایا جائے اور شرمناک سزائیں دی جائیں، وہ اپنی عوام کے مالک ومختار ہوں اور مغربی آقاؤں کے غلام،

آج کم وبیش پورا عالم اسلام اسی صورت حال سے دوچار ہے۔

اس طویل عرصے میں مغرب کی مسلسل سازشوں اور ستم انگیزیوں کے باوجود مسلم ممالک میں بھی اور مسلم اقلیتی ممالک میں بھی جن لوگوں نے ملت اسلامیہ کو اسلام سے جوڑے رکھنے میں کامیابی حاصل کی ہے اور ان کی دینی حمیت اور ایمانی غیرت کی آگ کو بجھنے سے بچایا ہے، وہ وہی طبقہ ہے جو زبان وقلم کے ذریعہ اسلامی افکار کی ترجمانی کرتا ہے اور اخلاق ومحبت کی تلوار سے لوگوں کے دلوں کو فتح کرتا ہے، یہ طبقہ علماء اور دینی تحریکات کا ہے، مغرب کے استعماری دور میں ہی مسلمانوں میں اسلامی تحریکات وجود میں آنے لگیں اور انہیں فروغ حاصل ہوتا رہا، ان تحریکات کو فکر کا سرمایہ فراہم کرنے والا طبقہ علماء کا ہے، خلافت کے خاتمہ کے بعد کسی سرکاری اعانت کے بغیر اس طبقہ نے مسلمانوں کا دین سے رشتہ استوار کرنے میں جو کردار ادا کیا ہے، وہ نقش لازوال ہے، ورنہ نہ معلوم کتنے مسلمان ارتداد کا شکار ہو چکے ہوتے، وہ ہریت اور الحاد پورے پورے ملک کو اپنے قبضہ میں لے لیتی، اسلامی شعائر کے بارے میں مسلمانوں کی دینی غیرت ختم ہو چکی ہوتی اور شریعت اسلامی سے ان کا رشتہ پوری طرح ٹوٹ چکا ہوتا، جیسے عیسائی معاشرہ میں کچھ لوگ اتوار کو چرچ چلے جاتے ہیں اور جیسے ہندو سماج میں کچھ افراد مندروں میں پہنچ کر نذر ونیاز پیش کر دیتے ہیں اور کچھ خاص خاص تہواروں کو دھوم دھام سے انجام دے لیتے ہیں، یہی حال مسلمانوں کا ہو گیا ہوتا؛ کہ ان میں جو لوگ مذہبی ہوتے وہ جمعہ اور عیدین میں شرکت کر لیتے اور کبھی کبھار مسجد چلے جاتے، ان کی عائلی زندگی، ان کی معیشت اور زندگی کے دوسرے مسائل میں شریعت کا کوئی حصہ نہیں ہوتا۔

علماء نے ہمیشہ اپنی بساط بھر امت مسلمہ کو دین سے جوڑے رکھنے اور اسلام کو اللہ کی زمین پر نافذ کرنے کی کوشش کی؛ چوں کہ ان کی یہ کوشش حکمراں طبقہ کے عیش وعشرت کے منصوبوں میں خلل انداز ہوتی تھی؛ اس لئے زیادہ تر وہ اپنے اپنے عہد کے حکمرانوں کے معتوب ہی بنے رہے، حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے تو قرنِ اول میں

نذرانۂ شہادت پیش کر دیا تھا، امام ابوحنیفہؒ کو بنوامیہ اور بنوعباس دونوں زمانوں میں حکمراں شبہ کی نظر سے دیکھتے تھے، دونوں حکومتوں میں انہیں کوڑوں سے مارا گیا، قید کی سزا سے بھی دوچار ہوئے، یہاں تک کہ زہر کا پیالہ پلا کر انہیں شہید کیا گیا، امام مالکؒ کو عباسی حکمراں منصور کے زمانے میں ستر (۷۰) کوڑے لگائے گئے اور اس طرح ان کی مشکیں کسی گئیں کہ ہاتھ بازو سے اکھڑ گئے، امام احمد بن حنبلؒ عباسی حکمراں مامون، معتصم اور واثق تینوں کے زمانہ میں ایسی شدید آزمائش سے گذرے کہ تاریخ عزیمت میں شاید اس کی مثال مل سکے، جس شخص نے امام احمدؒ پر کوڑے برسائے خود اس کا بیان ہے کہ میں نے امام احمدؒ پر اس سختی کے ساتھ اسی (۸۰) کوڑے برسائے کہ اگر اس طاقت کے ساتھ میں ہاتھی پر کوڑوں کی بارش کرتا تو وہ بھی چیخ اٹھتا اور یہ بارش مدتوں امام احمد بن حنبل پر ہوتی رہی؛ لیکن پائے استقامت میں کوئی تزلزل نہیں آیا، امام بخاریؒ کا آخری زمانہ اس حال میں گذرا کہ زمین اپنی وسعت کے باوجود ان پر تنگ ہوچکی تھی، سعید بن جبیرؒ کو اس طرح ذبح کر دیا گیا جیسے جانور کو ذبح کیا جاتا ہے؛ لیکن حجاج بن یوسف کا جبر وظلم ان کو ذرا بھی خوفزدہ نہ کرسکا، ابن السکیت کی حق گوئی پر عباسی خلیفہ متوکل نے ان کی زبان کھینچوالی اور زبان کے ساتھ ساتھ ان کی روح بھی پرواز کرگئی، خود ہندوستان میں راہِ عزیمت میں علماء کی استقامت کی ایک وسیع تاریخ رہی ہے، شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی نے اکبر کی دین بے زاری کے خلاف علم اصلاح بلند کیا اور پھر ایک مرحلہ ایسا آیا کہ گوالیار میں قید وبند کی صعوبتیں بھی اٹھائیں، مغل حکمرانوں کے دور میں مختلف علماء ومشائخ حق گوئی کے جرم میں شہید کر دئے گئے، کسی کو قتل کر دیا گیا، کسی کو ہاتھی کے قدموں تلے روند دیا گیا، کسی کو دیوار میں چن دیا گیا اور کوئی جلاوطن کر دیا گیا، ہندوستان کی جنگِ آزادی جس میں علماء نے اسلام کی حفاظت کے لئے حصہ لیا میں بے شمار علماء شہید کر دئے گئے، دلی کے مضافات میں ۱۸۵۷ء کی تحریک آزادی میں سرراہ درختوں پر پھانسی دے دے کر عبرت کے لئے علماء واہل دین کی لاشیں لٹکا کر رکھی گئیں، سید احمد شہید کی تحریک میں شامل کتنے ہی علماء صادق پور نے جام شہادت نوش کیا اور ان کے گھروں کی اینٹ سے اینٹ بجادی

گئی ،شاملی میں بڑے بڑے علماء نے سر بہ کف ہوکر برطانوی فوج کا مقابلہ کیا؛لیکن کوئی چیز ان کی ثابت قدمی کو متأثر نہیں کرسکی۔

آزمائش کا ایک دوسرا رنگ بھی ہوتا ہے اور وہ ہے مال ومتاع کی لالچ دے کر کسی کو اس کی فکر سے ہٹا دینا اور اس کو اس کے مشن سے روک دینا، امام احمد بن حنبل کے بارے میں منقول ہے کہ عباسی حکمراں متوکل نے جب پچھلے مظالم کی تلافی کے لئے امام احمد کے پاس ۲۰/ ہزار سکے بھیجے اور ایک دوسرے موقع پر ایک لاکھ درہم بھیجے تو امام احمد نے معذرت کردی اور فرمایا کہ یہ آزمائش اس آزمائش سے بڑھ کر ہے: ''ہذا أمر أصعب علیّ من ذلک، ذلک فتنۃ الدین وہذا فتنۃ الدنیا'' محدثین وفقہاء ہوں یا اکابر صوفیاء جیسے خواجہ حسن بصری، شیخ عبد القادر جیلانی، مشائخ ہند میں خواجہ معین الدین چشتی، خواجہ قطب الدین بختیار کاکی، خواجہ فرید الدین گنج شکر، خواجہ نظام الدین اولیاء، شیخ شرف الدین یحی منیری رحمہم اللہ وغیرہ ان سب کے حالات دیکھئے، یہ بادشاہوں اور حکمرانوں سے اور ان کی طرف سے ملنے والے مناصب اور نذرانوں سے اس طرح بھاگتے تھے، جیسے انسان آگ سے بھاگتا ہے۔

موجودہ حالات میں مغربی طاقتوں کی کوشش یہ ہے کہ کسی طور اس طبقہ کی لگام کسی جائے، انہیں حق گوئی سے باز رکھا جائے، غلط تاویل اور جھوٹی توجیہ کے ذریعہ مغربی افکار اور لادینی تہذیب پر ان سے مہر لگوائی جائے، اور یہ پہلے بھی ہوتا رہا ہے، ہلاکو خان نے جب بغداد کو پوری طرح قابو میں کرلیا تو اس نے اس زمانے کے بعض نام نہاد ضمیر فروش علماء سے یہ فتوی صادر کرانے میں کامیابی حاصل کرلی کہ 'عادل کافر بادشاہ' ظالم مسلمان بادشاہ سے بہتر ہے اور اس غلط فتوی کو اس نے اپنے لئے مہر تصدیق بنایا، مغرب نے اپنی اس سوچ کو روبہ عمل لانے کے لئے دو طریقۂ کار اختیار کئے، ایک طریقہ ان ملکوں میں جہاں مسلمان حکمراں ہیں یا جہاں آمرانہ نظام ہے، وہاں ظلم اور دباؤ کا ہتھیار استعمال کیا جاتا ہے اور حسبِ ضرورت کچھ ترغیب وتحریص کا، اِس وقت اس کی زندہ مثال

عرب ممالک ہیں، خاص کر مصر، جہاں شیخ الازہر اور مفتی اعظم سے مغرب کے منشا کے مطابق بیانات دلوائے جاتے ہیں، جہاں مساجد سے ان ائمہ کو معزول کر دیا گیا ہے، جو حقیقت میں اسلامی فکر کے ترجمان ہیں اور ایسے لوگوں کو اس اہم ذمہ داری پر فائز کیا گیا ہے، جن کو اس عہد کا 'منافق' کہا جا سکتا ہے، ان سے کس طرح کا کام لیا جا رہا ہے اور لیا جانے والا ہے اس کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ وہاں ائمہ مساجد کے لئے جو تربیتی ورکشاپ رکھے جا رہے ہیں، ان میں انہیں ترغیب دی جا رہی ہے کہ وہ عوام کو بتائیں کہ اسرائیل ہمارا پڑوسی ہے اور پڑوسی کے بڑے حقوق ہوتے ہیں، چاہے مسلمان ہو یا غیر مسلم، اور چاہے اس کا سلوک اچھا ہو یا بُرا؛ اس لئے اسرائیل جو بھی کرے؛ لیکن ہمیں پڑوسی ہونے کی حیثیت سے اس کے ساتھ بہتر سلوک کرنا چاہئے۔

اس سلسلہ میں حد درجہ افسوسناک صورت حال وہ ہے جو ابھی چند عرب ملکوں کی طرف سے ایک مسلم عرب ملک قطر کے بائیکاٹ پر مصر اور سعودی عرب کے بعض علماء ومشائخ اور اصحابِ افتاء کی طرف سے سامنے آئی ہے، مصر کے ایک مفتی نے تو خوشامد کی آخری حدوں کو پار کرتے ہوئے یہاں تک کہہ دیا کہ اس سال قطری باشندوں کا روزہ مقبول نہیں ہوگا؛ کیوں کہ انھوں نے سعودی عرب کی مخالفت کی ہے، گویا روزہ کی قبولیت اللہ تعالیٰ کی طرف سے نہیں، سعودی حکومت کی طرف ہوگی، سعودی عرب کے مفتی اعظم اور رئیس اُمور حرمین بجائے اس کے کہ ایک مذہبی قائد ہونے کی حیثیت سے مسلم ملکوں کے باہمی اختلاف کو کم کرنے اور صلح کرانے کی کوشش کرتے، انھوں نے سعودی حکومت کے فیصلے پر آمین کہنے پر اکتفا کیا، ظاہر ہے کہ جب امام خود مقتدی بن جائے تو اُمت کے مسائل کیوں کر حل ہو سکیں گے؟

جو جمہوری ممالک ہیں، جہاں دستوری طور پر کسی کو اپنے ضمیر کے خلاف مجبور نہیں کیا جا سکتا، وہاں مال و متاع اور عہدہ ومنصب کی لالچ دے کر زبان وقلم پر مہر لگانے کی کوشش کی جا رہی ہے، ہندوستان دنیا کا سب سے بڑا جمہوری ملک ہے اور یقیناً جمہوریت ایک نعمت ہے، نیز مسلم آبادی کے اعتبار سے دنیا کا دوسرا بڑا ملک ہے،

اوراس ملک کی خصوصیت علماء ومشائخ، دینی جماعتوں،تحریکوں اور تنظیموں، نیز دینی تعلیمی اداروں کی کثرت ہے؛ اس لئے یہاں ایک طرف دباؤ کی پالیسی اختیار کی جارہی ہے، مدارس، ان کے طلبہ وفضلاء، دینی تحریکوں سے وابستہ نوجوانوں اور مذہبی شخصیتوں پر انتہا پسندی، بنیاد پرستی اور دہشت گردی کے الزامات لگائے جارہے ہیں۔

عالم اسلام کی صورت حال اس سے بھی بہت خراب ہے، جہاں ہزاروں علماء کو جیل میں ڈال دیا گیا ہے، انھیں یہود ونصاریٰ اور اسرائیل سے خطرہ نہیں ہے؛ لیکن علماء ربانیین اور اسلام کے پرستاروں سے خطرہ ہے ،دوسری طرف ان کے سامنے متاعِ مال وزر کی پیش کش بھی کی جارہی ہے،خود ہمارے ملک میں کبھی کہا جاتا ہے کہ حکومت ائمہ مساجد کو معقول تنخواہیں دے گی، مساجد حکومت کے یہاں اپنا رجسٹریشن کرالیں، کبھی مدارس کو دعوت دی جاتی ہے کہ وہ گورنمنٹ کے قائم کئے ہوئے بورڈ میں شامل ہوجائیں، اس طرح اساتذہ کو اونچی تنخواہیں فراہم کی جائیں گی، کبھی حکومت کے غیر اہم مناصب دے کر تالیف قلب کی جاتی ہے، بہ حیثیت مجموعی ان تمام کوششوں کا بنیادی مقصد اس طبقہ کو پست حوصلہ کرنا، ان کی زبان کو بند کرنا اور ان کی جد وجہد کو محدود کرنا ہے،جن کا بنیادی مشن اسلام کی اشاعت وحفاظت ہے اور یہ سب کچھ صرف حکومتِ ہند کا منصوبہ نہیں ہے؛ بلکہ یہ ایک عالمی منصوبہ ہے جس کے تانے بانے امریکہ اور اسرائیل میں بنے گئے ہیں۔

یہ حالات عالمی سطح پر علماء ومشائخ کے لئے لمحۂ فکریہ ہیں کہ کیا ان کا مقصد زندگی صرف روٹی کے ٹکڑے حاصل کرنا ہے،جس طور پر بھی حاصل ہوجائیں، یا وہ اس سے اعلیٰ وارفع مقصد کے لئے کام کررہے ہیں، وہ انبیاء کے وارث ہیں، جو اجرت کے لئے نہیں، اجر کے لئے کام کرتے تھے، یا حکومتِ وقت کے ہر فیصلہ کے سامنے سجدہ ریز ہوجانا، وہ اس کائنات میں خدائی مشن کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کا ذریعہ ہیں یا مادیت کے پرستار،ان کا کام حکمت ومصلحت کے ساتھ حکومتِ وقت پر نکیر کرنا ہے یا ان کی ڈیوٹی حکمرانوں کے اعدائے اسلام کی سازشوں کا حصہ بننے کے باوجود ان کی تائید وتقویت ہے، یہ وقت ہے کہ علماء سر جوڑ کر بیٹھیں، اس مسئلہ پر غور

کریں، اپنے سلف کے راستہ پر خود کو ثابت قدم رکھیں، دین کے فروغ کو اپنی متاع حیات بنانے کا عہد کریں اور اس بات کا عزم مصمم کریں کہ نہ فولاد و آہن کی طاقت اظہار حق کے معاملہ میں انہیں خوف زدہ کر سکے گی اور نہ سیم وزر کی لالچ انہیں اپنا اسیر بنا سکے گی کہ بہ حیثیت مسلمان ہمارا جینا اور مرنا سب اللہ کے لئے ہے: {اِنَّ صَلَاتِيْ وَنُسُكِيْ وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

❍❖❍

اعلانِ عام

معزز قارئین!

جو حضرات ماہنامہ السعید کے لئے مضامین بھیجنا چاہتے ہیں، وہ مندرجہ ذیل ای میل پر بھیج سکتے ہیں۔

شمارہ میں علمی، تحقیقی، دعوتی اور اصلاحی مضامین قبول کئے جائیں گے ؛ بالخصوص حضرت الاستاذ مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالن پوریؒ کے علوم و معارف پر مشتمل مضامین قابلِ ترجیح ہوں گے۔

یاد رہے! کہ موادِ مضامین سے محترم سرپرست اور مجلسِ ادارت کا اتفاق ضروری ہے، بصورتِ دیگر ہم اس مجلہ میں اس کی اشاعت سے معذور ہیں۔

Email.mahnamaalsaeed2020@gmail.com

مقالات ومضامین

صحابہ معیارِ حق ہیں

افادات: مسند الہند حکیم الاسلام حضرت مولانا شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ

شارح: حضرت اقدس مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

شیخ الحدیث وصدر المدرسین دار العلوم دیوبند، وناظم اعلیٰ کل ہند مجلسِ تحفظِ ختمِ نبوت دار العلوم دیوبند

حضرت مولانا احمد سعید صاحب پالن پوری

صاحبزادہ حضرت رحمۃ اللہ، استاذ جامعۃ الشیخ دیوبند

خاتم النبین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پہلے ہر نبی مخصوص قوم کی طرف مبعوث کیا جاتا تھا، بخاری شریف میں ہے: "**کان النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یبعثُ الیٰ قومه خاصةً، و یبعثُ الی الناس کافةً**" (ہر نبی اس کی قوم کی طرف مبعوث کیا جاتا تھا، اور میں تمام لوگوں کی طرف مبعوث کیا گیا ہوں) اور اس وقت چونکہ نبوت کا سلسلہ جاری تھا، اس لئے ایک نبی کے بعد دوسرا نبی اس کا قائم مقام بنتا تھا، اس وقت امتیں مبعوث نہیں ہوتی تھیں، مگر خاتم النبین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد چونکہ نبوت کا سلسلہ بند ہوگیا، اس لئے پیغام رسانی کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت کو بھی مبعوث فرمایا گیا، صحیحین میں روایت ہے: "**کانت بنو اسرائیل تسوسهم الانبیاءُ، کلما هلک نبی خلفه نبی، و انه لا نبی بعدی**" (بنی اسرائیل کے امور کی تدبیر وانتظام حضرات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کرتے تھے، جب ایک نبی کا انتقال ہوجاتا، تو دوسرا نبی اس کا قائم مقام بن جاتا، اور بیشک شان یہ ہے کہ میرے بعد کوئی (نیا) نبی نہیں ہے) جو میری قائم مقامی کرے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد آپ کی قائم مقامی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت کرے گی۔

نیز گذشتہ انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام مفہمین کی مذکورہ بالا تمام انواع کے جامع نہیں ہوتے تھے (مفہمین: اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے تربیت کئے ہوئے لوگ، جنکی تعداد آٹھ ہیں، تفصیلات کے لئے رجوع کریں، (رحمۃ

اللہ الواسعہ جلد نمبر ۲ صفحہ نمبر ۴۶) صرف ایک یا دو فنون کے جامع ہوتے تھے، ایسی ہمہ گیر شخصیت جو مفہمین کی تمام انواع کو جامع ہو، بس ایک ہی شخصیت ہے، اور وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات والا صفات ہے، حضرت ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم "آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری" کا مصداق ہیں، اس لئے نبیوں میں سب سے اونچا مقام آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہے۔

دلائل:

اس بات کی دلیل کہ خاتم النبین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت دوہری ہے، یعنی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت بھی مبعوث ہے، اور وہ یک گونہ آپ ہی کی بعثت ہے، شاہ صاحب قدس سرہ نے اس کی تین دلیلیں بیان کی ہیں، دو آیات کریمہ، اور ایک حدیث شریف، جن کی تفصیل درج ذیل ہے:

پہلی دلیل:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت آفاقی اور ابدی ہے، سورۂ سبا آیت نمبر ۲۸ میں ارشاد پاک ہے: "وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا كَافَّةً لِلنَّاسِ بَشِيرًا وَنَذِيرًا وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ" (اور ہم نے آپ کو تمام لوگوں کے واسطے پیغمبر بنا کر بھیجا ہے، خوش خبری سنانے والے، اور ڈرانے والے، لیکن اکثر لوگ نہیں سمجھتے) یعنی خواہ عرب ہوں، یا عجم، موجود ہوں، یا آئندہ آنے والے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سب کی طرف مبعوث فرمائے گئے ہیں، ادھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بذات خود تمام جہاں میں دعوت کے لئے پہنچنا ایک مشکل امر تھا، اس وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت کو دو حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے، جزیرۃ العرب کے باشندوں کی طرف آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت بلا واسطہ ہے، اور باقی سارے جہاں کی طرف آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت امیین (طبقۂ صحابہ) کے واسطے سے ہے، پس جماعت صحابہ بھی مبعوث ہے، اور یہ بھی من وجہٍ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کی بعثت ہے، اس طرح آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت دوہری ہوئی۔

سورۃ الجمعہ آیت نمبر ۲ تا ۴ تک میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت کو دو حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے، ارشاد پاک ہے:

"هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِنْ كَانُوا مِنْ قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُبِينٍ وَآخَرِينَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوا بِهِمْ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ذَٰلِكَ فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَشَاءُ وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ "(اللہ وہی ہیں، جنہوں نے امیوں میں، انہیں میں سے ایک عظیم پیغمبر بھیجا، جوانکو اللہ کی آیتیں پڑھ کر سناتا ہے، اورانکو پاک کرتا ہے، اوران کو کتاب الٰہی اور دانشمندی کی باتیں سکھاتا ہے، اگرچہ وہ لوگ پہلے سے کھلی گمراہی میں تھے، اوران میں سے دوسروں میں (بھی آپ ﷺ کو بھیجا) جو ہنوز ان میں شامل نہیں ہوئے، اور وہ زبردست، حکمت والے ہیں، یہ فضل خداوندی ہے، جس کو چاھتے ہیں دیتے ہیں، اوراللہ تعالیٰ بڑے فضل والے ہیں۔

اس آیت میں امیوں سے مراد عرب ہیں، جو بعثت نبوی ﷺ کے وقت جزیرۃ العرب میں بود و باش رکھتے تھے، جن کی اکثریت حضرت اسماعیل علیہ الاسلام کی اولاد اور ناخواندہ تھی، انکی طرف نبی عربی ﷺ بلاواسطہ مبعوث فرمائے گئے ہیں، اسی لئے آپ ﷺ کا لقب النبی الامی ہے (سورۂ اعراف آیت نمبر ۱۵۷) تورات و انجیل میں بھی آپ ﷺ کا اسی وصف سے تذکرہ کیا گیا ہے، اور الآخرین" کا عطف الأمیین" پر ہے، اور آخرین سے مراد تمام عجم (غیر عرب) ہیں، وہ بھی بایں اعتبار عربوں میں شامل ہیں، کہ تمام انسان ایک ماں باپ کی اولاد ہیں، یہی آیت کی صحیح تفسیر ہے، خود شاہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے آیت کا ترجمہ یہ کیا ہے" ونیز مبعوث کرد آں پیغامبر را در قومے دیگر از بنی آدم کہ ہنوز نہ پیوستہ اند بامسلماناں" اور حاشیہ میں تحریر فرمایا ہے" یعنی فارس و سائر عجم" پس یہ خیال قطعاً باطل ہے کہ آخرین سے مراد صرف ہندو ہیں، جیسا کہ اب بھی نہ جاگے تو کے مصنف کا خیال ہے۔

اور" واو " کے ذریعہ عطف کرنے کی صورت میں معطوف، معطوف علیہ میں من وجہٍ اتحاد ہوتا ہے، اور من وجہٍ مغایرت، یہاں اتحاد اس اعتبار سے ہے کہ عرب وعجم دونوں ہی آپ ﷺ کی امت ہیں، اور مغایرت اس

اعتبار سے ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اول کی طرف بلا واسطہ مبعوث ہیں، اور آخرین کی طرف بالواسطہ یعنی بواسطۂ امت اُمّیہ۔

اور "ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَشَاءُ" میں اس طرف اشارہ ہے کہ دولت ایمان تمام عجمیوں کو نصیب نہیں ہوگی، اس لئے ان سے جزیہ قبول کیا جاتا ہے، اور اس کی وجہ فضل کی کمی نہیں ہے "وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيم"، بلکہ قابلیت کا فقدان ہے، اور چونکہ اس قسم کا کوئی مضمون امیین کے ساتھ نہیں آیا، اس لئے امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ان سے جزیہ قبول نہیں کیا جاتا۔

پس جب امیوں میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کام تمام ہوگیا، اور جزیرۃ العرب کے باشندے فوج در فوج اسلام میں داخل ہونے لگے تو سورۃ النصر نازل ہوئی، اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اطلاع دی گئی کہ آخرت کے لئے تیاری شروع فرمادیں، آپ کا دنیا کا کام تمام ہوگیا ہے، آگے کام صحابہ سنبھال لیں گے۔

دوسری دلیل:

سورۂ آل عمران آیت نمبر (۱۱۰) میں ارشاد پاک ہے: "كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللّٰهِ وَلَوْ آمَنَ أَهْلُ الْكِتَابِ لَكَانَ خَيْرًا لَهُمْ مِنْهُمُ الْمُؤْمِنُونَ وَأَكْثَرُهُمُ الْفَاسِقُونَ" (تم لوگ بہترین امت (جماعت) ہو، جو لوگوں کے فائدے کے لئے وجود میں لائی گئی ہے، تم لوگ نیک کاموں کا حکم دیتے ہو، اور بری باتوں سے روکتے ہو، اور اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہو، اور اگر اہل کتاب ایمان لے آتے تو ان کے لئے اچھا ہوتا، ان میں سے بعضے مسلمان ہیں، اور ان میں سے بیشتر کافر ہیں)۔

اس آیت پاک کی تفسیر میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے تین ارشاد مروی ہیں، جو درج ذیل ہیں:

۱۔۔ابن جریر طبری اور ابن ابی حاتم نے سُدی رحمہ اللہ تعالیٰ (مفسر قرآن تابعی) سے اس آیت پاک کی تفسیر میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ قول نقل کیا ہے:

"لو شاء اللہ لقال "انتم" فکنا کلُنا، ولٰکن قال: "کنتم" خاصۃً فی اصحاب محمد ﷺ، و من صنع مثل صنیعھم کانوا خیر امۃ أخرجت للناس" (اگر اللہ تعالیٰ چاہتے تو انتم فرماتے، پس اس وقت ہم سب آیت کا مصداق ہوتے، مگر اللہ تعالیٰ نے "کنتم" فرمایا، خاص طور پر صحابۂ کرامؓ کے بارے میں، اور جو لوگ صحابۂ کرامؓ جیسے کام کرے، وہ بہترین امت ہونگے، یہ امت لوگوں کی نفع رسانی کے لئے وجود میں لائی گئی ہے)

۲۔۔سُدی رحمہ اللہ تعالیٰ ہی سے ابن جریر اور ابن ابی حاتم رحمہما اللہ تعالیٰ نے آیت کی تفسیر میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ قول بھی نقل کیا ہے:

"قال: یکون لاوّلِنا، ولا یکون لآخرنا" (فرمایا: یہ آیت ہمارے اگلوں کے لئے یعنی صحابہؓ کے لئے ہے، اور ہمارے پچھلوں کے لئے نہیں ہے)

۳۔۔ابن جریر حضرت قتادہ رحمہ اللہ تعالیٰ سے روایت کرتے ہیں:

"ذُکر لنا أن عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ قرأ ھٰذہ الآیۃ "کنتم خیر امۃ أخرجت للناس" الآیۃ، ثم قال: یاأیھا الناس! من سرّہٗ أن یکون من تلکم الأمۃ فلیؤد شرط اللہ منھا" (ہم سے یہ بات بیان کی گئی کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ آیت "کنتم خیر امۃ تلاوت فرمائی، پھر فرمایا کہ جو شخص تم میں سے چاھتا ہے کہ اس امت (خیر الامم) میں شامل ہو تو چاھئے کہ وہ اللہ کی شرط پوری کرے، جو خیر الامم کے لئے آیت میں لگائی گئی ہے)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مذکورہ بالا تینوں ارشادات کنزل العمال جلد نمبر ۲ صفحہ نمبر ۳۷۵۔۳۷۶ میں مذکور ہیں، حدیث نمبر ترتیب وار یہ ہیں، ۴۲۸۹۔ ۴۲۹۲۔ ۴۲۹۳۔

اس کے بعد ایک نحوی قاعدہ جان لیں، تاکہ "انتم اور "کنتم کا فرق واضح ہوجائے، "انتم خیر امۃ، جملہ

اسمیہ خبر یہ ہے، جو محض ثبوت واستمرار پر دلالت کرتا ہے، اس میں کسی زمانہ سے کوئی بحث نہیں ہوتی، مثلاً "زیدٌ قائمٌ" یہ جملہ زید کے لئے قیام کے ثبوت واستمرار پر دلالت کرتا ہے، کوئی خاص زمانہ اس میں ملحوظ نہیں ہے، اور "کنتم خیر امة" میں ضمیر، کان کا اسم ہے، اور "خیر امة" مرکب اضافی کان کی خبر ہے، اور نحوی قاعدہ یہ ہے "کان" اپنے دونوں معمولوں (اسم وخبر) کے ساتھ، اس کے اسم کے، اس کی خبر کے مضمون کے ساتھ محض اتصاف پر دلالت کرتا ہے (یعنی کوئی امر زائد اس میں نہیں ہوتا) ایسے زمانہ میں جو اس کے صیغہ کے مناسب ہو، یا اس کے مصدر کے مشتقات میں سے جملہ میں مذکور صیغہ کے مناسب ہو، اگر صیغہ فعل ماضی ہو، تو زمانہ صرف ماضی ہوگا، بشرطیکہ اس کو غیر ماضی کے لئے خاص کرنے والا کوئی لفظ نہ ہو، اور اگر صیغہ خالص فعل مضارع کا ہو تو اس میں حال واستقبال دونوں زمانوں کی صلاحیت ہوگی، بشرطیکہ کوئی حرف جیسے لن، لم وغیرہ اس کو کسی ایک زمانے کے ساتھ خاص نہ کردیں، یا اس کو ماضی کے لئے نہ کردیں۔۔۔۔۔مثلاً: "کان الطفل جاریا"، اس وقت کہیں گے جب بچہ زمانۂ ماضی میں چلنے لگا ہو، اور "یکون الطفل جاریا" اس وقت کہیں گے جب چلنا زمانۂ حال میں، یا مستقبل میں متحقق ہو (النحو الوافی جلد نمبر ۱ صفحہ نمبر ۵۴۸)۔

پس اگر آیت کریمہ میں "انتم خیرُ امةٍ" ہوتا، تو خیریت کا ثبوت دوام واستمرار کے ساتھ ہوتا، اور پوری امت اس کا مصداق ہوتی، مگر جب آیت میں "کنتم خیر امةٍ" ہے تو نزول آیت کے وقت زمانۂ ماضی میں جو امت وجود پذیر ہوچکی ہے، اس کو خیریت کے ساتھ متصف کیا گیا ہے، پس صحابۂ کرام رضی اللہ عنھم اجمعین ہی آیت کا مصداق اولیں ہیں، کیونکہ نزول آیت کے وقت انہیں کا تحقق ہوچکا تھا، باقی امت ابھی تک وجود پذیر نہیں ہوئی تھی، البتہ باقی امت کے وہ افراد جو آیت کی شرط پوری کریں۔۔۔۔۔آیت کا مصداق ہوں گے۔

اب آیت کریمہ کا مطلب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے تینوں ارشادات کی روشنی میں یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جماعت صحابہ کو یعنی امیین کو جو آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بلاواسطہ امت ہیں، مخاطب فرما کر ارشاد فرمایا، کہ تم علم الٰہی میں

بہترین امت تھے، اس لئے تم کو لوگوں کی نفع رسانی کے لئے وجود میں لایا گیا ہے، یعنی دعوت اسلام کو لے کر ساری دنیا میں تمہیں پہنچا ہے، تمہیں چاھئے کہ لوگوں کو بھلائی کی باتوں کا حکم دو، برائی کی باتوں سے روکو، اور لوگوں کو اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کی دعوے دو، اس خیر امت میں اہل کتاب (یہود) شامل نہیں ہیں، اگر چہ وہ مدینہ منورہ میں سکونت پذیر تھے، کیونکہ ان میں سے معدودے چند کے علاوہ کوئی ایمان نہیں لایا، اہل کتاب کا لفظ اگر چہ عام ہے، مگر آیت میں سیاق کے قرینہ سے خاص یہود مراد ہیں۔

اور جس طرح نبی کے لئے عصمت ضروری ہے، کیونکہ اس کے بغیر نبی کے پہنچائے ہوئے دین پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا، اسی طرح جماعت صحابہ کے لئے حفاظت ضروری ہے، کیونکہ وہ خیر الامم ہیں، اور وہ من وجہٍ مبعوث الی الآخرین ہیں، پس عدالت وحفاظت کے بغیر ان کے پہنچائے ہوئے دین پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا، اور یہ حکم کلی کے ہر ہر فرد کا ہے، ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے میرے صحابہ آسمان کے ستاروں کی مثال ہیں، ان میں سے جس کی بھی تم پیروی کروگے، منزل مقصود تک پہنچ جاؤ گے (یہ حدیث چھ صحابہ سے مروی ہے، اور حسن لغیرہ ہے، تفصیل کے لئے دیکھیں، دین کی بنیادیں اور تقلید کی ضرورت صفحہ نمبر ۸۹ تا ۹۵)۔

صحابۂ کرام رضی اللہ عنھم اجمعین کی اسی عدالت وحفاظت کا نام "معیار حق" ہونا ہے، جن لوگوں کے نزدیک اللہ ورسول کے علاوہ کسی کی ذہنی غلامی جائز نہیں ہے، وہ سخت گمراہی میں ہیں، وہ سوچیں، ان تک دین صحابۂ کرامؓ ہی کے توسط سے پہنچا ہے، اگر وہی قابل اعتبار اور لائق تقلید نہیں، تو پھر آپ کے دین کی صحت کی کیا ضمانت ہے۔

غرض صحابہ کا طبقہ امت کا ایک ایسا طبقہ ہے، جو من حیث الطبقہ یعنی پوری کی پوری جماعت دین کے معاملہ میں مامون ومحفوظ ہے، اور وہ ہر اعتقادی گمراہی یا عملی خرابی سے پاک ہے، کیونکہ وہ بھی مبعوث ہے۔

تیسری دلیل: بخاری شریف میں روایت ہے، ایک اعرابی نے مسجد نبوی میں پیشاب کرنا شروع کر دیا، لوگوں نے اس کو لے لیا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ سے فرمایا: اسے چھوڑو، اور اس کے پیشاب پر پانی کی ایک بالٹی

ڈال دو، اور فرمایا: "**فانما بُعثتم میسرین، و لم تُبعثوا معسّرین** "(کیونکہ تم آسانی کرنے والے بنا کر ہی مبعوث کئے گئے ہو، تنگی کرنے والے بنا کر مبعوث نہیں کئے گئے)(بخاری شریف کتاب الوضوء، حدیث نمبر (۲۲۰) مشکوۃ باب تطہیر النجاسات حدیث نمبر ۴۹۱) یہ حدیث شریف صحابۂ کرام کی بعثت میں بالکل صریح اور دوٹوک ہے، "**عُلم من ھٰذا الحدیث أن أمته صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم أیضاً مبعوثۃٌ الی الناس، فثبت لہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بعثتان البتۃ**"(عبید اللہ سندھی)۔

فائدہ: آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم افرادِ انبیاء کے خاتم (آخری فرد) ہیں، اس وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد کوئی نیا نبی نہیں آسکتا، رہی امت کی بعثت تو وہ صرف پیغام رسانی میں ہے، یعنی یہ بات کمالات نبوت میں ہے، اور کمالات نبوت باقی ہیں، ختم نہیں ہوئے، صرف نبوت ختم ہوئی ہے، پس امت کے کسی بھی فرد کو نبی نہیں کہہ سکتے۔

❍❖❍

صحابۂ کرامؓ کے سلسلے میں علمائے دیوبند کا معتدل موقف

حضرت مولانا مفتی ڈاکٹر اشتیاق احمد قاسمی صاحب
استاذ تفسیر وفقہ دار العلوم دیوبند

حضراتِ صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین انبیائے کرام علیہم السلام کے بعد روئے زمین کی سب سے برگزیدہ جماعت ہیں، قرآن کریم میں ان کی ایمانی صداقت، ان کے فضائل وکمالات وضاحت کے ساتھ موجود ہیں، ان سے رضائے الٰہی کی شہادت کی بھی بار بار صراحت ہے؛ ان سب کے باوجود صحابۂ کرامؓ انبیائے کرام علیہم السلام کی طرح معصوم نہیں؛ ہاں محفوظ ضرور ہیں؛ ان کی خصوصیت یہ ہے کہ انھوں نے کسی غلطی پر اصرار نہیں کیا، غلطی ہوتے ہی اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں معافی مانگ لی، توبہ واستغفار کر لیے؛ اس لیے پوری امت کا عقیدہ ہے کہ گناہ کے صادر ہونے کی وجہ سے ان کے ایمان میں کوئی فرق نہیں آیا، رضائے الٰہی اور رحمتِ خداوندی کے مینارۂ نور پر وہ بہ دستور فائز ہیں، ان سے ان کی عدالت ہرگز مجروح نہیں ہوئی، پوری اُمت نے بڑے ہی احترام کے ساتھ ان کو "الصحابۃُ کلُّھم عُدُول" کا سہرا پہنایا ہے۔

قیامت تک وہی فرقہ اہلِ حق کہلائے گا جو صحابہ کرامؓ کے مطابق دین کی تشریح کرے گا، جو فرقہ صحابہ کرامؓ کی روِش سے جتنا دور ہوگا، وہ حق سے اتنا ہی دور ہوگا، اور جو جتنا قریب ہوگا وہ حق سے اتنا ہی قریب ہوگا، اہل السنۃ والجماعت کا کوئی فرد ایسا نہیں جو صحابہ کرامؓ پر لعن طعن کو جائز سمجھتا ہو، صحابۂ کرامؓ کی عدالت پر امتِ مسلمہ میں سلف وخلف کا اجماع ہے، محدثین نے روایتِ حدیث کی تحقیق میں جرح وتعدیل کے اصول مرتب کیے؛ مگر صحابۂ کرامؓ کی چوکھٹ پر آکر سب کے سب رُک گئے، کسی نے ایک قدم آگے نہیں بڑھایا۔ ہر ایک نے سارے

صحابۂ کرامؓ کو عادل وصادق قرار دیا، کسی کو نقد وجرح کا نشانہ نہیں بنایا۔

اہل السنۃ والجماعۃ کے علاوہ فرقوں نے صحابۂ کرامؓ کو نشانہ بنایا، مثلاً ماضی بعید میں معتزلہ اور خوارج نے صحابۂ کرامؓ کو تنقید کا نشانہ بنایا، شیعوں نے مخالفت میں نہایت مکروہ روش اختیار کی، یہ صحابۂ کرامؓ کو کافر ومرتد کہتے ہوئے بھی نہیں چوکتے، عصر حاضر کے بعض فرقے صحابۂ کرامؓ کے سلسلے میں انھیں باطل فرقوں کی روش پر ہیں؛ مثلاً "جماعتِ اسلامی کے سربراہ مولانا ابوالاعلیٰ مودودی نے جگہ جگہ صحابہؓ پر تنقید کی ہے، ان کی کتاب "خلافت وملوکیت" میں اس کی متعدد مثالیں موجود ہیں، ایک جگہ نہایت ہی بے باکی سے لکھتے ہیں:

"محض صحابیت کے شرف سے کوئی غلطی "شریف کام" نہیں بن سکتا؛ بلکہ صحابی کا بلند مقام اس غلطی کو حد درجہ نمایاں کر دیتا ہے۔" (خلافت وملوکیت، ص: ۱۴۳)

مولانا مودودی نے جماعتِ اسلامی کے دستور میں یہ وضاحت کی ہے کہ اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ کوئی بھی تنقید سے بالاتر نہیں (دستور جماعت اسلامی ص ۵)، گویا انھوں نے صحابۂ کرامؓ پر تنقید کرنے کو اپنے اصول میں داخل کیا ہے۔ ان کے نزدیک صحابۂ کرامؓ کے اقوال وافعال کی کوئی اہمیت نہیں، یہ بھی شیعہ اور خوارج کی طرح اہل السنۃ والجماعۃ کی راہِ مستقیم سے ہٹے ہوے ہیں۔

عصرِ حاضر کے فرقوں میں غیر مقلدین بھی اہل السنۃ والجماعۃ کے طرزِ فکر وعمل سے منحرف ہیں، انھوں نے آثارِ صحابہؓ کو درخورِ اعتناء نہیں سمجھا، اجماعِ صحابہؓ کا انکار کیا، اور بات یہاں تک پہنچ گئی کہ انھوں نے "بیس رکعات تراویح" کو بدعتِ عمری قرار دیا، "جمعہ کی پہلی اذان" کو بدعتِ عثمانی قرار دیا اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ترکِ رفع یدین کو نقل کیا تو ان پر الزامات کی بوچھاڑ کر دی، صحابۂ کرامؓ کے اجتہادات ان کے فتاویٰ اور تفاسیر کو ناقابلِ اعتبار ٹھہرایا، بعض غیر مقلدین نے صحابۂ کرامؓ کے خلاف بغض ونفرت کا شدید اظہار کیا ہے؛ چناں چہ:

مشہور غیر مقلد عالم مولانا وحید الزماں حیدر آبادی لکھتے ہیں: "بعض صحابہ فاسق تھے" (نزل الابرار، ۲/ ۹۴) انھوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ: "معاویہؓ پر دنیا کی طمع غالب ہوگئی تھی، ان کو تمام خاندانِ رسالت سے دشمنی تھی"۔ (لغات الحدیث: ۲/ ۱۴) ایک جگہ انھوں نے حضرت امیر معاویہؓ وعمرو بن عاصؓ دونوں کو باغی سرکش اور شریر لکھا ہے۔ (لغات الحدیث: ۲/ ۳۶)

ایک دوسرے غیر مقلد عالم مولوی عبد الحق لکھتے ہیں: "عائشہ حضرت علیؓ سے لڑتے ہوئے مرتد ہوئی، اگر بے توبہ مری تو کافر مری"۔ ایک جگہ لکھتے ہیں: "صحابہ کو پانچ پانچ حدیثیں یاد تھیں، ہم کو سب حدیثیں یاد ہیں، صحابہؓ سے ہمارا علم بڑا ہے صحابہؓ کو علم کم تھا"۔ (کشف الحجاب: ص: ۲۱)

ایک دوسرے غیر مقلد جناب حکیم فیض عالم لکھتے ہیں: "سیدنا علیؓ کے خود ساختہ حکمرانہ عبوری دور کو خلافتِ راشدہ میں شمار کرنا صریحاً دینی بد دیانتی ہے"۔ اس طرح کی گستاخی اس کتاب میں متعدد جگہوں پر موجود ہے۔ (خلافتِ راشدہ، ص: ۵۵، ۵۶)

ایک جگہ حضرت حسنؓ وحسینؓ کی توہین کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "حضراتِ حسنینؓ کو زُمرۂ صحابہؓ میں شمار کرنا صریحاً سبائیت کی ترجمانی ہے، یا اندھا دھند تقلید کی خرابی۔" (سیدنا حسن بن علیؓ، ص: ۲۳)

ایک جگہ لکھتے ہیں: "سیدنا حسنؓ کی موت کے متعلق اپنی تالیفات "عترتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم" اور "حسن بن علیؓ" میں دلائل کے ساتھ ثابت کر چکا ہوں کہ کثرتِ جماع، ذیابیطس اور تپِ محرِقہ سے ہوئی، آپ کہاں شہید ہوئے تھے اور آپ کو کس نے شہید کیا تھا؟"۔ (خلافتِ راشدہ، ص: ۱۱۵)

ایک جگہ لکھتے ہیں: "سیدنا حسنؓ کثرت سے حرم کی زندگی (کثرتِ جماع) کے دل دادہ تھے، جس کی وجہ سے آپ کو بعض روایات کے مطابق آخری ایام میں سِل کا عارضہ لاحق ہوگیا تھا۔" (سیدنا حسن بن علیؓ، ص: ۸۰)

غیر مقلدین شیعوں کی طرح صحابۂ کرامؓ کے تئیں سب سے زیادہ گستاخ ہیں، مذکورہ بالا مثالیں محض نمونہ کے لیے دی گئی ہیں، ورنہ ان کی کتابیں اس طرح کے مکروہ مواد سے بھری ہوئی ہیں۔ یہ لوگ "عظمتِ صحابہؓ" کے عنوان سے جہاں کہیں پروگرام کرتے ہیں وہ محض اہل السنۃ والجماعۃ کو دھوکہ دینے کے لیے کرتے ہیں کہ آؤ! غیر مقلدیت قبول کرلو، ہم بھی تمہاری طرح صحابۂ کرامؓ کو مانتے ہیں، بہ ظاہر ایسا محسوس ہوتا ہے کہ یہ لوگ شیعوں کی طرح تقیہ کرتے ہیں۔

علمائے دیوبند نے سلفِ صالحین کی طرح بلا استثناء سارے صحابہ کرامؓ کو عادل ومعتبر سمجھا ہے، ان کے نزدیک احکامِ شرعیہ کے لیے ایک طرف آیات واحادیث مآخذ ہیں، دوسری طرف آثارِ صحابہؓ بھی مآخذِ شریعت ہیں، ان سے بھی شرعی احکام ثابت ہوتے ہیں؛ اس لیے کہ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو براہِ راست دیکھا، اسلام کا کون سا حکم ناسخ اور کون سا حکم منسوخ ہے؟ یہ وہی بتا سکتے ہیں، کون سا عمل آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے خاص تھا اور کون سا امت کے لیے تھا؟ سب کو اچھی طرح جانتے تھے۔

قرآن وحدیث کی تشریحات کے ناقابلِ اعتماد ہونے کے لیے بس اتنا کافی ہے کہ صحابۂ کرامؓ کو درمیان سے نکال دیا جائے، مسلمانوں کے جس فرقے نے آثارِ صحابہؓ کو درمیان سے نکال دیا، ان کی تحریروں کو دیکھا جائے تو اندازہ ہوگا کہ انھوں نے دین میں اپنی طرف سے بہت سی باتیں بڑھا دی ہیں؛ بلکہ انھوں نے دین اور احکامِ شرعیہ کو کھلونا بنا رکھا ہے شیعہ، جماعتِ اسلامی اور غیر مقلدین سب نے ایک ہی حجام سے سر مونڈوایا ہے۔

علمائے دیوبند نے اپنی تحریروں اور تقریروں میں بار بار درج ذیل موقف کی صراحت کی ہے کہ:

۱-حضراتِ صحابہؓ اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ اور منتخب بندے ہیں، انبیائے کرام کے علاوہ جن وانس کا کوئی بھی فرد ان کے مقام ومرتبہ تک نہیں پہنچ سکتا۔

۲-عہدِ نبوی کے بعد صحابۂ کرامؓ کا دور سب سے بہتر ہے۔

۳- صحابۂ کرامؓ کی محبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کی علامت ہے اور اُن سے بغض وعناد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بغض وعناد کی نشانی ہے، صحابۂ کرامؓ کو اذیت دینا خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اذیت دینے کے مرادِف ہے۔

۴- صحابۂ کرامؓ کی عیب جوئی کرنا اور ان کو تنقید وتنقیص کا نشانہ بنانا حرام، ناجائز اور اکبرُ الکبائر گناہ ہے۔

۵- امت کا سارا مجد وشرف، بزرگی اور وقار صحابۂ کرامؓ کے ساتھ وابستگی پر موقوف ہے، اور ان کا قول وعمل امت کے لیے حجت ہے۔

جولوگ رطب ویابس تاریخی روایات پر اعتماد کر لیتے ہیں، اور محض ان بے سروپا روایات کی وجہ سے بعض صحابۂ کرامؓ پر سخت وسست تنقید کرنے لگتے ہیں، ان کو یہ یاد رکھنا چاہیے کہ فقہائے امت نے اس کی تاکید فرمائی ہے کہ عقائد واحکام اور حلال وحرام کے باب میں ان روایات کی ہرگز کوئی اہمیت نہیں وہ ناقابلِ اعتبار ہیں، صحابہؓ سے عقیدت واحترام کا راست تعلق عقائد سے ہے، عقیدے کے بغیر دین وایمان سلامت نہیں رہ سکتا۔ (مقامِ صحابہ، ص: ۲۳)

اخیر میں شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی نَوَّرَ اللّٰہُ مَرْقَدَہ کا ایک مکتوب نقل کرنا مناسب ہے، فرماتے ہیں:

"صحابۂ کرامؓ کی شان میں جو آیات وارد ہیں وہ قطعی ہیں، جو احادیثِ صحیحہ ان کے متعلق وارد ہیں وہ اگرچہ ظنی ہیں؛ مگر ان کی اسانید اس قدر قوی ہیں کہ تواریخ کی روایات ان کے سامنے ہیچ ہیں؛ اس لیے اگر کسی تاریخی روایت میں اور آیات واحادیثِ صحیحہ میں تعارض واقع ہوگا تو تواریخ کو غلط کہنا ضروری ہوگا"۔ (مکتوباتِ شیخ الاسلام: ۱/ ۲۴۲، مکتوب نمبر: ۸۸)

❍❖❍

عدالتِ صحابہ رضی اللہ عنہم کا مفہوم

مولانا محمد جنادہ نعمانی

اہل السنۃ والجماعۃ کا یہ اجماعی عقیدہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اگرچہ انبیاء کرام علیہم السلام کی طرح معصوم نہیں ہیں، مگر وہ عادل، مُتْقِن، متقی اور انتہا درجہ پرہیز گار ہیں۔ آسمانِ دیانت وتقویٰ کے درخشندہ ستارے ہیں۔ فسق وفجور جن کے قریب بھی نہیں پھٹکا، چنانچہ خداوندِ قدوس نے قرآن کریم میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو مخاطَب کرکے فرمایا:

"وَلٰكِنَّ اللّٰهَ حَبَّبَ إِلَيْكُمُ الْإِيمَانَ وَزَيَّنَهُ فِي قُلُوبِكُمْ وَكَرَّهَ إِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوقَ وَالْعِصْيَانَ أُولٰئِكَ هُمُ الرَّاشِدُونَ۔" (الحجرات:۷)

"لیکن اللہ نے تمہارے دل میں ایمان کی محبت ڈال دی ہے اور اُسے تمہارے دلوں میں پرکشش بنادیا ہے، اور تمہارے اندر کفر کی اور گناہوں کی اور نافرمانی کی نفرت بٹھادی ہے، ایسے ہی لوگ ہیں جو ٹھیک راستے پر آچکے ہیں۔"

نیز ارشادِ باری ہے:

"أُولٰئِكَ الَّذِينَ امْتَحَنَ اللّٰهُ قُلُوبَهُمْ لِلتَّقْوٰى لَهُمْ مَغْفِرَةٌ وَأَجْرٌ عَظِيمٌ۔" (الحجرات:۷)

ترجمہ: "یہ وہی لوگ ہیں جن کے دلوں کو اللہ نے خوب جانچ کر تقویٰ کے لیے منتخب کرلیا ہے، ان کو مغفرت بھی حاصل ہے اور زبردست اجر بھی۔"

"علم العقائد" کی معروف کتاب "المسامرۃ شرح المسایرۃ" میں ہے:

"و اعتقاد أهل السنة و الجماعة تزكية جميع الصحابة رضي اللّٰه عنهم و جوبًا بإثبات العدالة لكل منهم و الكف عن الطعن فيهم و الثناء عليهم ۔۔۔ و ماجرىٰ بين علي و معاوية رضي اللّٰه عنهما ۔۔۔ كان مبنياً على الاجتهاد من كل منهما لا منازعة من معاوية رضي اللّٰه عنه في الإمامةِ۔" (المسامرۃ شرح المسایرۃ،ص:۲۶۹،۲۷۰)

ترجمہ:"اہل السنۃ والجماعۃ کا عقیدہ تمام صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) کا تزکیہ یعنی گناہوں سے پاکی بیان کرنا ہے، اس طرح کہ ان سب کے لیے عدالت ثابت کرنا اور ان کے بارے طعن سے رُکنا اور ان کی مدح وثنا کرنا ہے۔ اور حضرت علی اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما کے مابین جو کچھ معاملہ پیش آیا، یہ دونوں حضرات کے اجتہاد کی بنا پر تھا۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے حکومت وامامت کا جھگڑا نہیں تھا۔"

امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

" الصّحابة رضي الله عنه كلُّهم عدول من لابس الفتن وغيرهم بإجماع من يعتد به، قال تعالٰى: (وَ كَذٰلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَّسَطًا) (البقرة:۱۴۳) الآية، أي عدولًا۔ وقال تعالٰى: (كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ) (آل عمران:۱۱۰)، والخطاب فيها للموجودين حينئذ۔ وقال صلى اللّٰه عليه وسلم: خير النّاس قرني ، رواه الشيخان۔ قال إمام الحرمين: والسبب في عدم الفحص عن عدالتهم: أنهم حملة الشريعة۔" (تدریب الراوی،ص:۴۹۲، ۴۹۳،قدیمی کتب خانہ،کراچی)

"باجماعِ معتبر علماء تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم عادل ہیں، مبتلائے فتن ہوئے ہوں یا نہ ہوئے ہوں، (دلیل) ارشادِ باری تعالیٰ ہے:"وَ كَذٰلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَّسَطًا" کہ "ہم نے تمہیں اُمت وسط یعنی عادل بنایا۔" نیز اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:"كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ" کہ "تم بہترین اُمت ہو جو لوگوں کے لیے نکالے گئے ہو۔" ان آیات میں خطاب اُس وقت موجود حضرات (صحابہ کرام رضی اللہ عنہم) کو ہے، اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: لوگوں میں بہترین میرا زمانہ ہے۔ امام الحرمین نے فرمایا کہ: صحابہ کرام

رضی اللہ عنہم کی عدالت سے بحث وجستجو نہ کرنے کی وجہ یہ ہے کہ وہ حاملینِ شریعت وناقلینِ شریعت ہیں۔''

مشہور حنفی محقق ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ اِرقام فرماتے ہیں:

''ذهب جمهور العلماء إلٰى أن الصحابةَ رضي الله عنهم كلُّهم عدول قبل فتنة عثمان رضی اللہ عنہ و علي رضی اللہ عنہ و كذا بعدها و لقوله عليه الصلاة و السلام: ''أصحابي كالنجوم بأيّهم اقتديتم اهتديتم۔''

(شرح الفقہ الاکبر لملا علی القاریؒ، ص: ۶۳)

ترجمہ: ''جمہور علماء کا مذہب یہ ہے کہ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم عادل (پاکباز، متقی) ہیں، حضرت عثمان و علی رضی اللہ عنہما کے زمانوں میں وقوع پذیر فتنوں سے پہلے بھی اور اُس کے بعد بھی، کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ میرے صحابہ رضی اللہ عنہم ستاروں کی مانند ہیں، ان میں جس کی پیروی کروگے ہدایت پاجاؤ گے۔''

علّامہ ابن حجر مکی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''قال ابن الصلاح و النووي الصحابة رضی اللہ عنہ كلهم عدول و كان للنبي صلى اللّٰه عليه وسلم مائة ألف و أربعة عشر ألف صحابي عند موته صلى اللّٰه عليه وسلم، و القرآن و الأخبار مصرّحان بعدالتهم و جلالتهم و لما جرى بينهم محامل۔'' (الصواعق المحرقۃ علی أہل الرفض والضلال والزندقۃ، ج: ۲، ص: ۶۴۰، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت)

''ابن صلاحؒ اور امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ: تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم عادل ومتقی تھے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے وقت ایک لاکھ چودہ ہزار صحابہؓ تھے، قرآن کریم اور احادیثِ طیبہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی عدالت وتقویٰ اور جلالتِ شان کی صراحت ووضاحت کررہے ہیں، اور ان کے باہمی مشاجرات ومعاملات کے محمل اور تاویلات موجود ہیں۔''

اس لیے اہل السنۃ والجماعۃ کا بجا طور پر موقف یہی ہے کہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نہ صرف روایتِ حدیث میں عادل و پاکباز ہیں، بلکہ تمام معاملاتِ زندگی اور اعمالِ حیات میں بھی عادل ومتقی اور پرہیزگار ہیں، تاہم معصوم نہیں ہیں کہ ان سے کوئی خطا اور گناہ سرزد ہی نہ ہو۔ معصوم عن الخطا صرف انبیاء کرام علیہم السلام کی

ذواتِ قدسیہ ہیں، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم محفوظ عن الخطا ہیں، یعنی یا تو اللہ تبارک وتعالیٰ ان سے خطا ومعصیت کا صدور ہونے نہیں دیتے، اور اگر کسی ایزدی حکمت وربانی مصلحت کی بنا پر کسی معصیت وگناہ کا صدور ہوتو خداوندِ قدوس صحابیؓ کی زندگی میں ہی اس کا ازالہ وتدارک کروادیتے ہیں کہ صحابیؓ جب دنیا سے جاتا ہے تو بموجبِ وعدۂ خداوندی ''وَ کُلًّا وَّعَدَ اللہ الْحُسْنٰی''جنتی بن کر دنیا سے رخصت ہوتا ہے، اس لیے ''الصّحابۃ رضی اللہ عنہم کُلُّھم عدول'' کا یہ مطلب لینا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم انبیاءِ کرام علیہم السلام کی مانند معصوم ہیں، نادرست اور غلط ہے، عصمت' خاصۂ انبیاء ہے، تاہم دوسری طرف یہ کہنا کہ صحابیؓ عام زندگی میں اس مفہوم میں بھی عادل نہیں ہوتا جو اہل السنۃ کے ہاں متفق علیہ ومسلّم ہے، تصریحاتِ اہل السنۃ وتشریحاتِ اکابر علماءِ دیوبند کے مطابق وموافق نہیں ہے۔ اس کا واضح مطلب تو یہ ہوا کہ صحابیؓ فاسق ہوسکتا ہے، کیونکہ عدالت اور فسق میں تباین وتضاد ہے، عادل ہے تو فاسق نہیں، فاسق ہے تو عادل نہیں، اور عادل نہیں تو فاسق ہے۔

مگر بہت سے گم راہ نظریات رکھنے والے لوگوں کا نظریہ اور اعتقاد یہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم روایتِ حدیث میں تو عادل ہیں، مگر دیگر احوالِ زندگی میں عادل اور متقی نہیں ہیں۔ درحقیقت اس اعتراض اور نقطۂ نظر کا مبدأ اور منشاء سیدنا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو غیر عادل اور فاسق وفاجر اور باغی وطاغی تک قرار دینا ہے، اسی ضرورت سے یہ نظریہ ایجاد کرنا پڑا۔

چنانچہ مودودی صاحب اپنی کتاب ''خلافت وملوکیت'' میں لکھتے ہیں:

''الصَّحابۃ رضی اللہ عنہم کلُّھم عدول'' (صحابہؓ سب راست باز ہیں) کا یہ مطلب نہیں لیتا کہ تمام صحابہ رضی اللہ عنہم بے خطا تھے، اور ان میں کا ہر ایک ہر قسم کی بشری کمزوریوں سے بالاتر تھا، اور ان میں سے کسی نے کبھی کوئی غلطی نہیں کی ہے، بلکہ میں اس کا مطلب یہ لیتا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرنے یا آپ کی طرف کوئی بات منسوب کرنے میں کسی صحابیؓ نے

کبھی راستی سے ہرگز تجاوز نہیں کیا ہے۔'' (خلافت وملوکیت،ص:۳۰۳،ط:ادارہ ترجمان القرآن،لاہور،۲۰۱۹ء)

موجودہ دور میں بھی بعض ایسے نظریاتِ فاسدہ وخیالاتِ کاسدہ کے حامل لوگ پیدا ہو چکے ہیں۔اس نظریہ کا علماءِ امت نے ابطال اور رَد فرمایا ہے، چنانچہ مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب' مودودی صاحب کے اس موقف کا ردِ بلیغ کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

''اگر اس کتاب (خلافت وملوکیت) کے ان مندرجات کو درست مان لیا جائے جو خاص حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے متعلق ہیں تو اس سے عدالتِ صحابہ رضی اللہ عنہم کا وہ بنیادی عقیدہ مجروح ہوتا ہے جو اہلِ سنت کا اجماعی عقیدہ ہے اور جسے مولانا مودودی صاحب بھی اصولی طور پر درست مانتے ہیں۔۔۔مولانا نے 'الصحابة رضی اللہ عنہم کلهم عدول'' (تمام صحابہ رضی اللہ عنہم عادل ہیں) کو اصولی طور پر اپنا عقیدہ قرار دے کر یہ لکھا ہے کہ اس عقیدے کا مفہوم یہ نہیں ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم سے کوئی غلطی سرزد نہیں ہوسکتی، بلکہ اس کا صحیح مطلب یہ ہے کہ روایتِ حدیث میں انہوں نے پوری دیانت اور ذمہ داری سے کام لیا ہے۔۔۔لیکن اس گفتگو میں مولانا نے اس بحث کو صاف نہیں فرمایا، عقلی طور پر عدالتِ صحابہ رضی اللہ عنہم کے تین مفہوم ہو سکتے ہیں:

۱:۔۔۔صحابہ کرام رضی اللہ عنہم معصوم اور غلطیوں سے بالکل پاک ہیں۔

۲:۔۔۔صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اپنی عملی زندگی میں (معاذ اللہ) فاسق ہو سکتے ہیں، لیکن روایتِ حدیث کے معاملے میں بالکل عادل ہیں۔

۳:۔۔۔صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نہ تو معصوم تھے اور نہ فاسق۔ یہ ہوسکتا ہے کہ ان میں سے کسی سے بعض مرتبہ بتقاضائے بشریت ''دو ایک یا چند'' غلطیاں سرزد ہوگئی ہوں، لیکن تنبُّہ کے بعد انہوں نے توبہ کر لی اور اللہ نے انہیں معاف فرما دیا، اس لیے وہ ان غلطیوں کی بنا پر فاسق نہیں ہوئے۔ چنانچہ یہ نہیں ہوسکتا کہ کسی صحابیؓ نے گناہوں کو اپنی ''پالیسی'' بنالیا ہو، جس کی وجہ سے اسے فاسق قرار دیا جاسکے۔۔۔۔ پہلے مفہوم کو تو انہوں نے

صراحتاً غلط کہا ہے اور جمہور اہل سنت بھی اسے غلط کہتے ہیں۔ اب آخری دو مفہوم رہ جاتے ہیں، مولانا نے یہ بات صاف نہیں کی کہ ان میں سے کون سا مفہوم وہ درست سمجھتے ہیں۔ مولانا نے یہ بات صاف نہیں کی کہ ان میں سے کون سا مفہوم درست ہے؟ اگر ان کی مراد دوسرا مفہوم ہے، یعنی یہ کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین صرف روایتِ حدیث کی حد تک عادل ہیں، ورنہ اپنی عملی زندگی میں وہ معاذ اللہ! فاسق و فاجر بھی ہو سکتے ہیں، تو یہ بات نا قابلِ بیان حد تک غلط اور خطرناک ہے۔ اس لیے کہ اگر کسی صحابیؓ کو فاسق و فاجر مان لیا جائے تو آخر روایتِ حدیث کے معاملہ میں اسے فرشتہ تسلیم کرنے کی کیا وجہ ہے؟ جو شخص اپنے ذاتی مفاد کے لیے جھوٹ، فریب، رشوت، خیانت اور غداری کا مرتکب ہو سکتا ہے، وہ اپنے مفاد کے لیے جھوٹی حدیث کیوں نہیں گھڑ سکتا؟ ۔۔۔۔ اسی لیے تمام محدثین اس اُصول کو مانتے ہیں کہ جو شخص فاسق و فاجر ہو اس کی روایت صحیح نہیں ہوتی۔ ورنہ اگر روایات کو مسترد کرنے کے لیے یہ شرط لگا دی جائے کہ راوی کا ہر ہر روایت میں جھوٹ بولنا ثابت ہو تو شاید کوئی بھی روایت موضوع ثابت نہیں ہو سکے گی اور حدیث کے تمام راوی معتبر اور مستند ہو جائیں گے، خواہ وہ عملی زندگی میں کتنے ہی فاسق و فاجر ہوں۔ اور اگر مولانا مودودی صاحب عدالتِ صحابہ رضی اللہ عنہم کو تیسرے مفہوم میں درست سمجھتے ہیں، جیسا کہ اوپر نقل کی ہوئی ایک عبارت سے معلوم ہوتا ہے، سو یہ مفہوم جمہور اہل سنت کے نزدیک درست ہے، لیکن حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر انہوں نے جو اعتراضات اپنی کتاب میں کیے ہیں، اگر اُن کو درست مان لیا جائے تو عدالت کا یہ مفہوم ان پر صادق نہیں آ سکتا۔ (حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور تاریخی حقائق، ص: ۱۳۹ تا ۱۴۲، ط: معارف القرآن، کراچی، ۲۰۱۶ء)

یہی بحث حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب نے دوسرے باب، صفحہ: ۲۵۴ پر بھی کی ہے۔ مولانا محمد ثاقب رسالپوری اسی پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”دراصل مولانا مودودی صاحب نے عدالتِ صحابہ رضی اللہ عنہم کا جو مفہوم بیان کیا ہے، اس کا حاصل یہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم روایتِ حدیث کی حد تک تو عادل ہو سکتے ہیں، لیکن ز

ندگی کے تمام معاملات میں ان سے بعض کام عدالت کے منافی صادر ہو سکتے ہیں۔'' (حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور تاریخی روایات، ص ۱۶۳، مکتبہ معارف القرآن، کراچی، ۲۰۱۱ء)

حضرت مفتی اعظم پاکستان مولانا محمد شفیع عثمانی دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ اس نظریہ کی تردید کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

''اور بعض علماء نے جو عدمِ عصمت اور عمومِ عدالت کے تضاد سے بچنے کے لیے ''عدالت'' کے مفہوم میں یہ ترمیم فرمائی کہ یہاں ''عدالت'' سے مراد تمام اوصاف و اعمال کی عدالت نہیں، بلکہ روایت میں کذب نہ ہونے کی عدالت مراد ہے، یہ لغت و شرع پر ایک زیادتی ہے، جس کی کوئی ضرورت نہیں۔'' (مقامِ صحابہؓ، ص:۶۰)

محققِ اہل السنۃ مولانا مہر محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ (میانوالی) لکھتے ہیں:

''اس میں کوئی شک نہیں کہ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بلا استثناء، دروغ گوئی خصوصاً کذب فی الروایۃ سے پاک وصاف تھے اور کسی سے بھی کذب کا صدور نہیں ہوا اور بایں معنی عادل ہونا بھی ان کی منقبت کی واضح دلیل ہے، لیکن عدالتِ صحابہ رضی اللہ عنہم کو صرف اس معنی میں منحصر کرنا اور اسے محدثین کی مراد بتانا ناقابلِ تسلیم اور لائقِ مناقشہ ہے، کیونکہ بعض محدثین نے عدالت کی تفسیر میں جھوٹ سے بچنا لکھا ہے تو اس کا یہ معنی ہرگز نہیں کہ ان محدثین کے نزدیک صحابہ رضی اللہ عنہم روایت میں عمداً کذب بیانی کے سوا باقی سب اُمور اور شعبہ ہائے حیات میں غیر عادل حتیٰ کہ ہر قسم کے کبیرہ گناہوں تک کا ارتکاب کرتے تھے، جیسے صاحبِ ''خلافت وملوکیت'' اور ان کے حواریوں کا خیال ہے، بلکہ جھوٹ سے بچنے کی تصریح کا مطلب یہ ہے کہ بایں معنی صحابہ رضی اللہ عنہم کی عدالت اتنی قطعی اور اٹل ہے جیسے انبیاء علیہم السلام کی گناہوں سے عصمت کہ اس میں استثناء یا شذوذ کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اور نہ کسی عالم نے آج تک یہ لکھا ہے کہ صحابہ کرام رضی

اللہ عنہم جھوٹ بولتے تھے، بخلاف چند اور گناہوں کے کہ چند حضرات کی ان سے عصمت کا دعویٰ نہیں کیا جاسکتا۔ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا ہر فرد انبیاء علیہم السلام کی طرح قطعی معصوم نہیں کہ صدور معصیت محال ہی ہو، ہم نے اپنی کتاب میں یہی موقف اختیار کیا ہے۔۔۔۔عدالت صحابہ رضی اللہ عنہم صرف روایت عن الرسول میں منحصر نہیں، بلکہ ان کی سیرت کے ہر پہلو میں عام ہے۔۔۔۔۔محدثین جو عام رُواۃ کے متعلق کہتے ہیں کہ وہ عادل ہیں تو یہ اس کی پوری سیرت کی پاکیزگی پر شہادت ہوتی ہے کہ وہ کبائر سے مجتنب اور صغائر پر غیر مصر ہیں، پھر اسی بحث میں وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے متعلق کہتے ہیں: ''الصّحابة رضی اللہ عنہ کُلُّهم عدول'' کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سب کے سب عادل ہیں، تو اب اس عدالت کو تجنُّب عن الکذب میں مخصوص نہیں کیا جائے گا، ورنہ لازم آئے گا کہ غیر صحابیؓ کی عدالت صحابیؓ سے افضل ہو، وھو باطل۔.....علماء اصولِ حدیث اور محدثین ''کُلُّهم عدول'' کی دلیل ذکر کرتے ہوئے یہ جملہ فرماتے ہیں: ''زَکّیاهم و عدّلاهم'' کیونکہ خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا تزکیہ کیا ہے، اور ان کو عادل قرار دیا ہے۔ خدا اور رسول کا یہ تزکیہ اور تعدیل صرف کذب سے اجتناب میں نہیں کہ صحابہ رضی اللہ عنہم دیگر گناہوں کے مرتکب ہوتے رہتے تھے، بلکہ یہ مجموعی طور پر ان کے اعمال و اخلاق کی عیوب سے طہارت اور آلودگیوں سے اجتناب پر شہادت ہے، تو معلوم ہوا محدثین کے نزدیک بھی عدالت میں تعمیم ہے۔۔۔بہر حال! تزکیہ، نزاہت، قصدِ معصیت سے تبریہ ان کی شان کی گناہوں سے بلندی جیسے واضح الفاظ ہمارے مؤید ہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی عدالت عام ہے، اور وہ بالعموم سب گناہوں اور معاصی سے محفوظ ہیں، ایسی صراحتوں کے باوجود کیا اب بھی محدثین پر یہ اتہام لگایا جائے گا کہ ان کے نزدیک صحابہ رضی اللہ عنہم تعمدِ کذب فی الروایۃ تک عادل تھے، باقی

ہر قسم کے کبائر اور معاصی کرتے تھے، اور ذنوب ان سے معدوم نہیں ہوئے تھے؟!۔'' (عدالتِ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، ص: ۷۰ تا ۷۵، طبع ہفتم)

یہ ایک بالکل بدیہی اور سادہ سی سے بات ہے، اگر یہ موقف تسلیم کرلیا جائے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم عام زندگی میں عادل نہیں، صرف روایتِ حدیث میں عادل ہیں، اور ان کی قبولِ روایت کے لیے عام زندگی میں عدالت ضروری نہیں تو اس سے نہ صرف یہ اصولِ حدیث میں برائے قبولِ روایت عدالت کی شرط ایک مذاق اور مضحکہ خیز قاعدہ بن کر رہ جائے گا، بلکہ اس سے یہ بھی لازم آتا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے علاوہ دیگر رواۃ تو عام معاملاتِ حیات میں بھی عادل ہوں اور صحابیِ رسول رضی اللہ عنہ نعوذ باللہ! عادل نہ ہو، جیسا کہ حضرت مولانا مہر محمد صاحب میانوالوی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ذکر فرمایا ہے۔

بعض حضرات نے حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی طرف بھی ایسی باتوں کی نسبت کی ہے، جس کے جواب میں مفتی اعظم پاکستان مولانا محمد شفیع عثمانی دیوبندی رضی اللہ عنہم نے (مقامِ صحابہؓ، ص: ۶۰، ۶۱ میں) یہ تصریح فرمائی ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ اولاً: شاہ صاحب کی طرف ان عبارات کی نسبت مشکوک ہے۔ ثانیاً: اگر تسلیم کرلیا جائے کہ یہ حضرت شاہ رحمۃ اللہ علیہ کی عبارات ہیں تو خلافِ جمہور ہونے کی وجہ سے متروک و مردود ہیں۔ دوسری طرف حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی عدالت وتقویٰ پر علماء امت کی تصریحات موجود ہیں، ''مشتے نمونہ از خروارے'' درج ذیل عبارت ملاحظہ فرمائیں۔ شارح صحیح مسلم امام نووی رحمۃ اللہ علیہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی عدالت پر مہرِ اثبات ثبت کرتے ہوئے میں فرماتے ہیں:

''وأما معاوية رضي الله عنه فهو من العَدُول الفضلاء والصَّحابة النُّجباء رضي الله عنه وأما الحروب التي جرت فكانت لكل طائفة شبهة اعتقدت تصويب أنفسها بسببها وكلهم عدول رضي اللّٰه عنهم ومتأولون في حروبهم وغيرها ولم يخرج شيء من ذلك أحدا منهم عن العدالة لأنهم مجتهدون اختلفوا في مسائل من محل الاجتهاد كما يختلف المجتهدون بعدهم في مسائل

من الدماء وغيرها ولا يلزم من ذلک نقص أحد منهم ۔۔۔۔۔۔ فكلهم معذورون رضي الله عنهم ولهٰذا اتفق أهل الحق ومن يعتد به في الإجماع على قبول شهاداتهم ورواياتهم وكمال عدالتهم رضي اللّٰه عنهم أجمعين۔" (شرح النووی علی الصحیح لمسلم، کتاب الفضائل، کتاب فضائل الصحابۃ رضی اللہ عنہم، ۱۵/ ۱۴۹، دار إحیاء التراث العربی، بیروت)

ترجمہ: ''بہرحال سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ تو وہ عادل ، صاحبِ فضیلت اور معزز صحابی ہیں، جہاں تک ان محاربات ومشاجرات کا تعلق ہے جو اُن حضرات کے مابین پیش آئے تو وہاں ہر ایک کو کوئی اشتباہ والتباس تھا، جس کی وجہ سے ہر ایک نے خود کو درست سمجھا، جبکہ وہ سب کے سب عادل ہیں، اور ان کے مخاصمات و باہمی منازعات میں ان کے پاس تاویل موجود ہے، ایسے کسی معاملہ نے انہیں عدالت سے نہیں نکالا، کیونکہ وہ مجتہد تھے، (جس کا نتیجہ یہ ہے کہ) محلِ اجتہاد میں کچھ مسائل میں ان کا اختلاف ہوگیا، جیسا کہ ان کے بعد بھی مختلف مسائل میں مجتہدین کا اختلاف ہوتا رہتا ہے، اس سے ان میں سے کسی کی شان میں کوئی کمی واقع نہیں ہوتی ۔۔۔۔ لہٰذا یہ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم معذور ہیں اور اسی وجہ سے اہلِ حق اور ان لوگوں کا کہ اجماع کے باب میں جو لائقِ اعتبار وقابلِ شمار ہے، کا حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی گواہیوں اور روایات کے قبول ہونے نیز کمالِ عدالت وتقویٰ پر اتفاق اور اجماع ہے۔''

لہٰذا حضرت سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سمیت تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نہ صرف روایتِ حدیث میں بلکہ تمام امورِ حیات ومعاملاتِ زندگی، احوال وآثار اور اوصاف وخصائل میں عادل اور متقی و پرہیزگار ہیں۔ یہ نظریہ کہ ''صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین صرف روایتِ حدیث میں عادل ہیں'' خلافِ اہل السنۃ والجماعۃ باطل اور غلط ہے۔

○❖○

صحابہ مثل انجم ہیں بہ فرمان رسول حق !

مولانا عبدالرشید طلحہ نعمانی
استاذ ادارۂ اشرف العلوم، حیدرآباد

حضراتِ صحابہ کرام سے محبت وعقیدت اہل سنت والجماعت کے نزدیک اصول ایمان میں سے ہے ۔انبیاء علیہم السلام کے بعد انسانوں میں جس جماعت کو اللہ رب العزت کے یہاں سب سے زیادہ قرب حاصل ہے، وہ آپ کے تربیت یافتہ صحابہ کرامؓ کی مقدس وبابرکت جماعت ہے؛ جس جماعت کا ہر ہر فرد صلاح وتقویٰ، اخلاص وللّٰہیت اور زہد واطاعت سے آراستہ ومزین ہے، جنہیں اللہ تعالی نے اپنے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی معاونت ونصرت اور دین کی دعوت واشاعت کے لیے منتخب فرمایا اور ان ہی کے طفیل دین اسلام بھرپور حفاظت و صیانت کے ساتھ بلاتحریف وترمیم اگلی نسلوں تک پہونچا۔ اگر مشیت ایزدی کے مطابق یہ منتخب گروہ نہ ہوتا تو اسلامی شریعت بھی یہودیت ومسیحیت کی طرح تحریف کا شکار ہوجاتی؛ اسی لیے نبی علیہ السلام نے ان سے محبت کو اپنی ذات اقدس سے محبت کا معیار قرار دیا اور یوں فرمایا: خدارا! میرے صحابہ کے سلسلہ میں اللہ سے ڈرتے رہو، ان کو میری وفات کے بعد ہرگز ہدفِ تنقید مت بناؤ! جو کوئی ان سے محبت کرے گا تو وہ مجھ سے محبت کی دلیل ہوگی اور جو کوئی ان سے بغض رکھے گا وہ مجھ سے بغض کی بنیاد پر (ان سے بغض) رکھے گا۔ (ترمذی)

اسی طرح حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ستارے آسمان کے لیے باعثِ امن ہیں، جب وہ غائب ہوجائیں، تو آسمان پر وہ مصیبت آجائے گی، جس کا اس سے وعدہ کیا گیا ہے اور میں میرے صحابہ رضی اللہ عنہم کے لیے امن کا باعث ہوں، جب میں چلا جاؤں گا؛ تو ان کو وہ

مصیبت پیش آئے گی، جس کا ان سے وعدہ کیا گیا ہے اور میرے صحابہ رضی اللہ عنہم میری امت کے لیے باعث امن ہیں، جب وہ چلے جائیں؛ تو امت پر وہ مصائب پیش آئیں گے، جن کا ان سے وعدہ کیا گیا ہے۔ (صحیح مسلم)

ان سب فضیلتوں کے علی الرغم اگر کوئی شخص صحابہ کرام رضی اللہ تعالی عنہم اجمعین کی صالحیت وراست گوئی، دیانت وامانت داری کے حوالے سے شک وشبہ کا اظہار کرتا ہے تو دراصل وہ قرآن وسنت کی حقانیت پر طعن کرتا ہے اور ان مآخذ ومنابع کو مشکوک بنانے کی کوشش کرتا ہے جو صحابہ کرام کے ذریعے ہم تک پہنچے ہیں۔ حضرت مصعب بن سعد نے سچ ہی فرمایا کہ امت کے تمام مسلمان تین درجوں میں منقسم ہیں، جن میں سے دو درجے تو گزر چکے یعنی مہاجرین وانصار، اب صرف ایک درجہ باقی رہ گیا، یعنی وہ جو صحابہ کرام سے محبت رکھے، ان کی عظمت پہچانے، اب اگر تمہیں امت میں کوئی جگہ حاصل کرنی ہے تو اسی تیسرے درجہ میں داخل ہوجاؤ۔

صحابہ معیار حق ہیں!

صحابہ کے مستند ومعیار حق ہونے پر اس سے بڑی کیا دلیل ہوسکتی ہے کہ اللہ پاک نے انہیں دنیا ہی میں اپنی رضا کا پروانہ عطا فرمادیا اور جنت ومغفرت کی بشارت سنادی، چند آیتوں کے ترجمے ملاحظہ فرمائیں!

ارشاد ربانی ہے: بے شک اللہ مومنوں سے راضی ہوگیا جب وہ (حدیبیہ میں) درخت کے نیچے آپ سے بیعت کررہے تھے، سو جو (جذبۂ صِدق ووفا) ان کے دلوں میں تھا اللہ نے معلوم کرلیا تو اللہ نے ان (کے دلوں) پر خاص تسکین نازل فرمائی اور انہیں ایک بہت ہی قریب فتحِ خیبر کا انعام عطا کیا۔ (الفتح:۱۸)

ایک اور موقع پر فرمایا: لیکن رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور جو لوگ ان کے ساتھ ایمان لائے اپنے مالوں اور اپنی جانوں کے ساتھ جہاد کرتے ہیں اور انہی لوگوں کے لئے سب بھلائیاں ہیں اور وہی لوگ مراد پانے والے ہیں ،اللہ نے ان کے لئے جنتیں تیار فرما رکھی ہیں جن کے نیچے سے نہریں جاری ہیں وہ ان میں ہمیشہ رہنے والے ہیں، یہی بہت بڑی کامیابی ہے۔ (التوبہ:۸۹-۸۸)

اسی طرح ایک اور مقام پر فرمان الٰہی ہے: جولوگ ایمان لائے اور انہوں نے ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں جہاد کیا اور جن لوگوں نے (راہِ خدا میں گھر بار اور وطن قربان کر دینے والوں کو) جگہ دی اور ان کی مدد کی، وہی لوگ حقیقت میں سچے مسلمان ہیں، ان ہی کے لئے بخشش اور عزت کی روزی ہے۔ (الانفال: ۷۴)

نیز سورۃ النساء کی آیت ۱۱۰ کا مطالعہ کیجئے! اللہ پاک فرماتے ہیں: اور جو شخص اپنے سامنے ہدایت واضح ہونے کے بعد بھی رسول کی مخالفت کرے، اور مومنوں کے راستے کے سوا کسی اور راستے کی پیروی کرے، اس کو ہم اسی راہ کے حوالے کر دیں گے جو اس نے خود اپنائی ہے، اور اسے دوزخ میں جھونکیں گے، اور وہ بہت برا ٹھکانا ہے۔ تمام مفسرین کی اس بات پر اتفاق ہے کہ "غیر سبیل المؤمنین" سے صحابہ کرام کی جماعت مراد ہے۔ اس آیت کی روشنی میں وہ لوگ اندازہ لگائیں جو صحابہ کرام کی عظمت ان کے وقار، ان کی دین متین سے وابستگی اور تعلق کو کالعدم قرار دیتے ہیں، دین کے راستے میں ان کی کاوشوں اور محنتوں کے منکر ہیں، ان کی زندگی میں انہیں مکمل معیار نظر نہیں آتا، ان کا اعتراف ان کے حلق سے نہیں اترتا، وہ خود اپنا انجام سوچ سکتے ہیں؛ کیونکہ صحابہ کرام کی عظمت ومحبت، ان کے طریقے سے اعراض وروگردانی، ضلالت وگمراہی کا پیش خیمہ ہے اور اس کا ٹھکانہ جہنم ہے اور اگر وہ اپنے دل میں ان کی طرف سے کینہ رکھتا ہے تو وہ دراصل شیطان کا پیرو ہے؛ کیونکہ وہ اللہ کے برگزیدہ بندوں اور امت محمدیہ کے بہترین طبقہ کے خلاف اپنے دل میں دشمنی رکھتا ہے۔ اگر وہ مرنے سے پہلے اپنی اس روش سے توبہ نہیں کرتا تو حقیقت یہ ہے کہ اس کا خاتمہ بالخیر نہیں ہے؛ کیونکہ صحابہ کرام اسلام کی ایسی بیش قیمت اور زریں زنجیریں ہیں کہ اگر اس کے ایک حلقہ (کڑی) کو بھی جدا کر دیا جائے تو ہمارا سارا دین غیر مستند قرار پائے گا، ہمارا علمی تفوق وبالادستی اور اسلامی تہذیب وتمدن کا سارا ذخیرہ ملیامیٹ ہوکر رہ جائے گا۔ اس سلسلہ میں حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کا ایک چشم کشا اقتباس ذکر کرنا مناسب ہے جو بڑی اہمیت کا حامل ہے:

صحابہ کرام ایمان کی کھیتی، نبوت کی فصل، دعوت اسلامی کا ثمر اور رسالت محمدیہ کا عظیم الشان کارنامہ ہیں،

ان کی سیرت واخلاق میں جو حسن نظر آتا ہے وہ نبوت محمدی کی جلوہ سامانیوں کا پرتو ہے، ان سے زیادہ عظیم الشان اور تابناک تاریخ کسی دوسرے طبقہ کی ملنی مشکل ہے۔"

مشاجرات صحابہؓ اور اہل سنت والجماعت کا اجماعی موقف:

مشاجراتِ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے بارے میں اہل السنہ والجماعہ کا اجماعی عقیدہ یہ ہے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے ساتھ حسنِ ظن رکھا جائے، ان پر کسی قسم کا طعن نہ کیا جائے، کیوں کہ صحابہ کرام کے جن دو فریقوں میں اختلافات ہوئے، اس کی بنیاد اجتہاد تھا، جن دو جماعتوں کے درمیان جنگ ہوئی ان میں سے ہر ایک فریق اپنے آپ کو حق پر اور فریقِ مخالف کو باغی سمجھتا تھا، اور باغیوں کو راہِ راست پر لانے کے لیے قرآنی طریقہ پر عمل پیرا ہوا۔ لیکن اہل سنت والجماعت کے نزدیک حضرت علی رضی اللہ عنہ حق پر تھے اور اپنے اجتہاد میں مصیب تھے، جب کہ ان کے مدمقابل اجتہادی چوک کا شکار ہوئے، تاہم فریقین میں سے کسی ایک کا بھی مقصد دنیاوی اغراض نہ تھے، جس کے نتیجہ میں دونوں ہی عنداللہ ماجور ہوں گے، ان شاء اللہ! باقی مشاجرات کے معاملے میں سکوت اختیار کرنا چاہیے، بحث مباحثہ اور طعن وتشنیع بزبانِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ممنوع ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کے تعلق سے بُرا بھلا کہنے سے منع کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: جب بھی میرے صحابہ کے بارے میں بات ہو رہی ہو تو خاموش رہو، جب بھی ستاروں سے متعلق بات ہو رہی ہو تو خاموش رہو، اور جب بھی تقدیر سے متعلق بات ہو رہی ہو تو خاموش رہو!۔ (المعجم الکبیر للطبرانی)

معروف تابعی حضرت حسن بصریؒ (م ۱۱۰ھ) سے صحابہؓ کے درمیان ہونے مشاجرات کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا: اس لڑائی میں صحابہ کرامؓ موجود تھے اور ہم نہیں تھے، اُن کا جن باتوں میں اختلاف ہوا وہ اُن کا خوب علم رکھتے تھے جبکہ ہم ان باتوں سے جاہل ہیں، جن باتوں پر ان کا اتفاق ہوا ہم ان کی پیروی کرتے ہیں، اور جن باتوں میں ان کا اختلاف ہوا ہم وہاں توقف کرتے ہیں"۔ (الجامع لاحکام القرآن للقرطبی، ج ۱۹، ص ۳۸۲ بحوالہ: مقام صحابہ)

امام احمد بن حنبلؒ (م ۲۴۱ھ) سے سوال کیا گیا: اے ابوعبداللہ (امام احمد بن حنبل کی کنیت ہے) جو کچھ حضرت علیؓ ومعاویہؓ کے درمیان ہوا آپ اس بارے میں کیا کہتے ہیں؟ تو آپ نے فرمایا: میں اس بارے میں سوائے اچھی بات کے کچھ نہیں کہتا، اللہ کی ان سب پر رحمت ہو"۔ (السنۃ لابی بکر الخلال، الجزء الثانی، ص ۴۶۰، روایت نمبر ۷۱۳، طبع دار الرایۃ، الریاض)

امام ابوالحسن علی بن اسماعیل الاشعریؒ (م ۳۲۴ھ) اہل سنت کے عقائد کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام صحابہ سے محبت کرتے ہیں اور ان کے مابین جو اختلافات ہوئے ان (کے بیان کرنے) سے رُک جاتے ہیں (کفِ لسان کرتے ہیں)۔ (الابانۃ عن اصول الدیانۃ، ص ۱۱، دار ابن زیدون، بیروت)

امام حافظ ابوالقاسم اسماعیل بن محمد الاصبہانیؒ (م ۶۳۶ھ) لکھتے ہیں: سنت (کا مقتضیٰ) یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کے مابین جو اختلافات ہوئے ان کے بارے میں خاموشی اختیار کی جائے، ان کے فضائل بیان کئے جائیں اور ان کی اقتداء کی جائے۔ (الحجۃ فی بیان المحجۃ وشرح عقیدۃ اہل السنۃ، ج ۱/ص ۲۳۶) اسی کتاب میں دوسری جگہ یوں رقم طراز ہیں: حضرت علی اور حضرت معاویہ (رضی اللہ عنہما) کے مابین جو اختلافات ہوئے، اس سلسلے میں سلف کا موقف یہ ہے کہ صحابہ کرامؓ کے مابین اختلافات میں خاموشی اختیار کرنا سنت (کا مقتضیٰ) ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ (م ۸۶۲ھ) اس حوالے سے قول فیصل نقل کرتے ہیں: اہل سنت اس بات پر متفق ہیں کہ صحابہ کے مابین واقع ہونے والے حوادث کی بناء پر ان میں کسی ایک صحابی پر بھی طعن وتشنیع کرنے سے اجتناب واجب ہے اگرچہ یہ معلوم ہوجائے کہ فلاں صحابی کا موقف موقف حق تھا؛ کیونکہ انہوں نے ان لڑائیوں میں صرف اپنے اجتہاد کی بناء پر حصہ لیا اور اللہ نے مجتہد مخطی کو معاف فرمادیا ہے؛ بلکہ یہ بات ثابت ہے کہ مجتہد کے اجتہاد میں خطا ہوجائے تب بھی اسے ایک گنا اجر ملے گا اور جس کا اجتہاد درست ہوگا اسے دوگنا اجر ملے گا۔ (فتح الباری ج ۱۳ ص ۴۳ کتاب الفتن باب ۱۱ اذا التقی المسلمان)

خلاصۂ کلام:

آج ملت کا شیرازہ مختلف جماعتوں،فرقوں اور گروہوں میں تقسیم ہوکر ملتِ واحدہ کی شناخت کھو چکا ہے، ہر جماعت خود کو برحق ، ہر فرقہ خود کو صحیح اور ہر گروہ خود کو جنتی باور کروا رہا ہے، ایسے میں ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ سرکار دو عالم ﷺ کسے جنتی قرار دیتے ہیں؟ اور کس کی پیروی پر جہنم سے نجات کا پروانہ عطا فرماتے ہیں؟

چناں چہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''میری امت ۷۳ فرقوں میں تقسیم ہوجائے گی، سوائے ایک جماعت کے سب دوزخ میں جائیں گے، عرض کیا گیا اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم وہ کونسا گروہ ہوگا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: یہ وہ جماعت ہوگی جو اس راستے پر چلے گی جس پر میں اور میرے صحابہ ہیں۔'' (ترمذی) اس حدیث میں یہ اشارہ بھی ہے کہ سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ طریق صحابہ رضی اللہ عنہم بھی قیامت تک محفوظ رہے گا؛ کیونکہ جو چیز محفوظ نہ ہو وہ قیامت تک نجات پانے والے گروہ کی نشانی کیسے بن سکتی ہے؟ اسی لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام اور ان کے بعد آنے والے اسلاف کی پیروی کی تلقین فرمائی ہے۔ اسی طرح نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''تم میرے بعد شدید اختلاف دیکھو گے! اس وقت تم میری اور میرے ہدایت یافتہ خلفاء راشدین کی سنت کو لازم پکڑنا۔ اس پر مضبوطی سے جمے رہنا، دین میں نئے پیدا ہونے والے امور سے اپنے آپ کو بچا کر رکھنا؛ کیونکہ ہر بدعت گمراہی ہے'' (ابن ماجۃ) معلوم ہوا فتنوں کے ظہور کے وقت بچاؤ صرف اور صرف نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے خلفاء راشدین کی سنت اختیار کرنے میں ہے۔

دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں ہر قسم کے انتشار سے بچاتے ہوئے اپنے راستے پر چلنے، رسول برحق ﷺ کی اطاعت کرنے اور صحابۂ کرام رضی اللہ تعالی عنہم اجمعین کی اتباع کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین یا رب العالمین۔

○❖○

صحابہ کرامؓ کی گستاخی سنگین گناہ اور عظیم جرم

مفتی محمد صادق حسین قاسمی کریم نگری

حضرات صحابہ کرامؓ سے عقیدت ومحبت اوران کا ادب واحترام ایک مسلمان کے لئے لازم اورضروری ہے ،اس روئے زمین پر حضرات انبیاء کرامؑ کے بعد مقدس ترین جماعت صحابہ کرامؓ ہی کی ہے ،جن کی عظمت وفضیلت میں قرآن کی آیتیں نازل ہوئیں اور جن کے مقامِ بلند کو بتانے اوران کے حقوق سے امت کو آگاہ کرنے کے لئے امام الانبیاء سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے گراں قدر ارشادات سے نوازا۔صحابہ کرامؓ وہ مقدس ترین طبقہ ہے جس نے براہِ راست شمعِ رسالت سے روشنی پائی اورمنبع علم وعرفاں سے فیض یاب ہوئے ،اپنی آنکھوں کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دیدار سے مشرف کیا،اپنے کانوں سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مبارک ارشادات کو سماعت کیا،جن کی زندگی کا بڑا مقصد نبی کے اشارہ پر جان وتن کو لٹانا اورخود کو نبی کے قدموں پر نثار کرنا تھا،کٹھن منزلیں ،سخت مرحلے اور مسلسل آزمائشوں نے بھی ان کے جذبۂ اطاعت وفرماں برداری میں کمی آنے نہیں دی، نہ ہی پائے استقامت میں جنبش آنے دی،وہ دیوانہ وار اپنے نبی سے محبت کرتے تھے ،فدائیت وفنائیت کا حیرت انگیز نمونہ پیش کیا،اوررہتی دنیا تک کے انسانوں کو بتادیا کہ نبی کے عاشق ،دینِ حق کے متوالے،اورمحمد رسول اللہ کے سپاہی کیسے ہوتے ہیں! جن کی وفاداری ،خلوص وجاں نثاری کے واقعات آج بھی ہمارے اور قیامت تک آنے والے انسانوں کے ایمان کو تازہ کرنے اور جذبۂ وفا کو برانگیختہ کرنے کے لئے کافی ہیں۔جنہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اشارۂ آبرو پر مال ودولت کو نچھاور کیا،اسلام کی اشاعت اور دین کی تبلیغ کے لئے ناقابلِ فراموش قربانیاں دیں اور ہرطرح کی مشقت کو برداشت کیا۔امت اور نبی کے درمیان کا مضبوط واسطہ اوراہم ذریعہ یہی

صحابہ کرامؓ ہیں۔صحابہ کرامؓ کی عظمت اور فضیلت کے لئے کافی ہے اللہ تعالی نے قرآن کریم میں ان سے رضامندی کا اعلان فرمادیا: **والسبقون الاولون من المهجرين والانصار والذين اتبعوهم باحسان رضى الله عنهم ؤورضوا عنه**۔(التوبہ:۱۰۰)''اور جومہاجرین وانصارسابق بالایمان ہیں اور بقیہ امت میں جتنے لوگ اخلاص کے ساتھ ان کے متبع ہیں،اللہ ان سب سے راضی ہوا،اور وہ اللہ سے۔''

صحابہ کرام کی گستاخی سے بچیں!

صحابہ کرامؓ کے فضائل،محاسن،کمالات پر مشتمل بہت سی آیتیں اور احادیث ہیں جن کا تذکرہ یہاں نہیں کیا جارہا ہے، بلکہ ان کی بے ادبی اور گستاخی سے بچنے کی جو تعلیم دی گئی اس سلسلہ میں چند ارشاداتِ نبوی ﷺ پیش ہیں۔ نبی کریم ﷺ نے جہاں اپنے تربیت یافتہ صحابہ کرامؓ کے مقام ومرتبہ کو بتایا وہیں امت کو آگاہ کیا کہ وہ کسی بھی طرح ان کی شان میں گستاخی نہ کرے اور بے ادبی ہونے نہ دیں۔ نبی کریم ﷺ نے جن کو تیار کیا اور محنتوں کے بعد جن کو سجا،سنوار کرامت کے سامنے پیش کیا ،اب کسی کی مجال نہیں کہ وہ ان کے خلاف زہر اگلے، بے ادبی کرے اور نازیبا باتیں کریں۔آپ ﷺ کے صحابہ سے محبت کو اپنی محبت کے مترادف قرار دیا اور ان سے بغض کو نبی سے بغض کی وجہ بتلایا۔مشہور حدیث ہے:**اَللّٰهَ اَللّٰهَ فِيْ اَصْحَابِيْ لَا تَتَّخِذُوْهُمْ غَرَضًا مِّنْ بَعْدِي فَمَنْ اَحَبَّهُمْ فَبِحُبِّيْ اَحَبَّهُمْ وَ مَنْ اَبْغَضَهُمْ فَبِبُغْضِيْ اَبْغَضَهُمْ**۔میرے صحابہ کرام کے (حقوق کی ادائیگی) کے بارے میں اللہ سے ڈرو،اللہ سے ڈرو،ان کو میرے بعد (سب وشتم اور طعن وتشنیع کے لئے) تختہ مشق نہ بنانا،(اور یہ بھی سمجھ لو کہ) جس نے ان سے محبت کی اس نے میری محبت کی وجہ سے ان سے محبت کی ہے اور جس نے ان سے بغض رکھا اس نے مجھ سے بغض ہی کی وجہ سے ان سے بغض رکھا ہے اور جس نے ان کو تکلیف پہنچائی اس نے مجھے تکلیف پہنچائی اور جس نے مجھے تکلیف پہنچائی اس نے اللہ کو تکلیف دی اور اس کا پورا خطرہ ہے کہ (اللہ) ایسے شخص کو (دنیا وآخرت میں) عذاب میں مبتلا کردے۔(ترمذی:حدیث نمبر؛۳۸۲۶)حضرت

مولانا منظور نعمانیؒ حدیث کی تشریح میں فرماتے ہیں کہ: آئندہ آنے والی نسلیں صحابہ کرامؓ کے بارے میں احتیاط سے کام لیں، ان کی تکریم و تعظیم اور ان کے حقوق کی دائیگی کا لحاظ رکھیں۔ کسی قسم کی بے توقیری ان کے بارے میں نہ کریں ورنہ دنیوی یا اخروی عذاب کا خطرہ ہے۔ (معارف الحدیث: ۸/ ۳۶۳) اسی طرح ایک حدیث میں ارشاد ہے: **اذا رائتم الذین یسبون اصحابی فقولوا لعنة اللہ علی شرکم**۔ جب تم ان لوگوں کو دیکھو جو میرے صحابہ کو برا کہتے ہیں تو تم کہو ''اللہ کی لعنت ہو تمہارے شر پر۔'' (ترمذی) ایک حدیث میں آپ ﷺ نے فرمایا: **لا تسبوا احدا من اصحابی فان احدکم لو انفق مثل احد ذهبا ما ادرک مد احدهم و لا نصیفه**۔ (بخاری: حدیث نمبر: ۳۴۲۰) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میرے صحابہ میں کسی کو برا نہ کہو اس لئے کہ (وہ اتنے بلند مقام اور اللہ کے محبوب ہیں) تم اگر احد پہاڑ کے برابر بھی سونا کرچ کروگے تب بھی ان کے ایک مد بلکہ نصف مد خرچ کرنے کے برابر ثواب کے مستحق نہ ہوگے۔ ایک حدیث میں آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: **ان اشرار امتی اجروهم علی اصحابی**۔ بلاشبہ میری امت کے برے لوگ وہ ہیں جو میرے صحابہ کے بارے میں گستاخ ہیں۔

تعظیمِ صحابہؓ کے بارے میں امت کا اتفاق:

صحابہ کرامؓ کی تعظیم امت پر لازم ہے اور امت کا یہ اتفاقی فیصلہ ہے کہ صحابہ کرامؓ کی کسی بھی طرح کی بے ادبی اور گستاخی جائز نہیں ہے، اس سلسلہ میں حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ کی کتاب ''مقامِ صحابہؓ'' سے چند اقتباسات پیش ہیں۔ علامہ ابن تیمیہؒ نے ''شرح عقیدۃ واسطیۃ'' میں لکھا ہے کہ: کہ اہل سنت کے اصولِ عقائد میں یہ بات بھی داخل ہے کہ وہ اپنے دلوں اور زبانوں کو صحابہؓ کے معاملے میں صاف رکھتے ہیں، جیسا کہ اللہ تعالی نے اس آیت میں بیان فرمایا ہے۔ علامہ سفارینیؒ نے اپنی کتاب ''الدرۃ المضیۃ'' میں فرماتے ہیں: **والذی اجمع علیه اهل السنة و الجماعة انه یجب علی کل احد تزکیة جمیع الصحابة باثبات العدالة لهم و الکف عن الطعن فیهم و الثناء علیهم فقد اثنی اللہ سبحانه علیهم فی عدة آیات من کتابه العزیز**۔ یعنی

اہل سنت الجماعت کا اس پر اجماع ہے کہ ہر شخص پر واجب ہے کہ وہ تمام صحابہؓ کو پاک صاف سمجھے، ان کے لئے عدالت ثابت کرے، ان پر اعتراضات کرنے سے بچے اور ان کی مدح وتوصیف کرے، اس لئے کہ اللہ سبحانہ وتعالی نے اپنی کتاب عزیز کی متعدد آیات میں ان کی مدح کی ہے۔ عقائد کی مشہور درسی کتاب ''عقائد نسفیہ'' میں لکھا ہے کہ: **ویکف عن ذکر الصحابة الا بخیر**۔ یعنی اسلام کا عقیدہ یہ ہے کہ صحابہ کرامؓ کا ذکر بجز خیر اور بھلائی کے نہ کرے۔ (تلخیص از: مقامِ صحابہؓ)

گستاخِ صحابہ کا عبرتناک انجام

صحابہ کرام کی شان میں گستاخی خاتمہ بالخیر سے محرومی کا باعث ہوتی ہے، چناں چہ علامہ جلال الدین سیوطیؒ نے ایک واقعہ لکھا ہے: ایک شخص پر موت طاری ہوئی، اسے کہا گیا کہ **لا الہ الا اللہ** کہو، اس نے کہا میں نہیں کہہ پارہا ہوں، کیوں کہ میں ایسے لوگوں کے ساتھ رہتا تھا جو مجھے حکم دیتے تھے کہ ابوبکر وعمر (رضی اللہ عنھما) کو گالی گلوچ کرو۔ (شرح الصدور فی احوال الموتی القبور: ۳۸ مصر)

حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کی توہین کرنے والے کو سزا بھی اللہ نے دنیا ہی میں دی اور انسانوں کے لئے نمونۂ عبرت بنایا۔ واقعہ یہ ہے کہ حضرت عمرؓ کے دورِ خلافت میں حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کوفہ کے گورنر تھے، کچھ لوگوں نے ان کے خلاف سازشیں شروع کردیں اور دربارِ خلافت میں ان کی شکایت بھیجنا شروع کردیا۔ حضرت عمرؓ نے ایک تحقیقاتی ٹیم ان شکایت کنندگان کے ہمراہ بھیجی، اس ٹیم کے ارکان نے کوفہ کی تمام مساجد میں جاجا کر معاملات کی تحقیق شروع کی، لیکن کسی بھی جگہ سے کوئی ایک شکایت بھی درست ثابت نہیں ہوئی، صرف ایک مسجد میں ایک شخص ابوسعدہ نے الزام لگایا کہ: ''بخدا سعدؓ نہ تقسیمِ اموال میں انصاف سے کام لیتے ہیں، نہ عدالتی فیصلوں میں انصاف کرتے ہیں، اور نہ کفار کے خلاف جنگوں میں نکلتے ہیں۔'' حضرت سعد بن ابی وقاصؓ نے فرمایا: ''اے اللہ اگر یہ جھوٹا ہے تو اس کی عمر دراز کر، اس کے فقر کو بڑھادے، اور اسے فتنوں میں مبتلا

کر۔ واقعہ کے راوی کہتے ہیں کہ میں نے اس شخص کو بہت بوڑھا دیکھا، بڑھاپے کی وجہ سے ان کی پلکیں آنکھوں پر گری ہوتی تھیں،فقر سے بدحال تھا اور راہ چلتی لڑکیوں کو چھیڑتا تھا۔ جب اس سے پوچھتے کہ کیا حالت ہورہی ہے تو کہتا: ''میں فتنہ میں مبتلا بڈھا ہوں، مجھے سعدؓ کی بددعا لگ گئی ہے۔'' (اولیاء اللہ کی اہانت کا وبال: ۵۴)

آخری بات:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کرامؓ کی مبارک نفوس کو انسانوں کے لئے ہدایت کے جگمگاتے ستاروں سے تعبیر فرمایا کہ جس طرح رات کی اندھیری میں انسان ستاروں کی روشنی سے منزل تک پہنچتا ہے اسی طرح کفر کی تاریکیوں میں صحابہ کرامؓ کی ہستیاں مشعلِ ہدایت ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اصحابی کالنجوم فبایھم اقتدیتم اھتدیتم۔ (مشکوۃ مع المرقاۃ: حدیث نمبر: ۶۰۱۸) ''میرے صحابہؓ ستاروں کی مانند ہیں پس تم ان کی پیروی کروان میں سے تم جس کی بھی پیروی کروگے ہدایت پاؤگے۔''

صحابہ کرامؓ کا ادب واحترام ہرایک کے لئے ضروری ہے، جوکوئی ان کی بے ادبی یا گستاخی کرے گا وہ دنیا میں بھی ذلیل وخوار ہوگا اور آخرت میں رسوا ونامراد ہوگا۔ صحابہ کرامؓ کی سیرت واخلاق، کردار واوصاف کو اپنانا اور ان کے نقشِ قدم پر چل کر منزلِ مقصود کو پانے کی فکر وکوشش کرنا ہماری ذمہ داری ہے۔ یقیناً جسے اپنے نبی سرورکونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت ہوگی تو صحابہؓ سے بھی ضرور محبت کرے گا، دین کو ہم تک پہنچانے اور انسانوں تک نبی کے پیغام کو عام کرنے کے لئے صحابہ کرامؓ نے جو قربانیاں دی ہیں ان کا تصور بھی ہمارے دلوں میں عقیدت ومحبت کے جذبات کو موجزن کردیتا ہے۔ ہمارے گھرانوں میں صحابہ کرام کی سیرت وواقعات کے تذکرے ہونے چاہیے، ہمارے نوجوانوں کو چاہیے کہ صحابہ کرامؓ کے حالاتِ زندگی سے سبق لیں اور ایک بامقصد زندگی گزارنے والے بنیں۔

○❖○

ناقدینِ صحابہ پر بے وقوفی کی قرآنی مہر

مفتی احمد عبید اللہ یاسر قاسمی

حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین دین اسلام کے ترجمان وعلم بردار، قرآن مجید کے محافظ و پاسبان، سنت نبوی (علی صاحبھا الف الف تحیۃ وسلام) کے عامل ومبلغ، بلند سیرت وکردار کے حامل وداعی اور امتِ مسلمہ کے محسن ومعمار ہیں، بقول مفکرِ اسلام علامہ سید ابوالحسن علی میاں ندوی رحمہ اللہ: "آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے تیار کیے ہوئے افراد میں سے ایک ایک نبوت کا شاہ کار ہے اور نوع انسانی کے لیے باعثِ شرف وافتخار ہے، انسانیت کے مرقع میں بلکہ اس پوری کائنات میں حضرات پیغمبروں کو چھوڑ کر اس سے زیادہ حسین وجمیل، اس سے زیادہ دل کش ودل آویز تصویر نہیں ملتی، جو ان کی زندگی میں نظر آتی ہے، ان کا پختہ یقین، ان کا گہرا علم، ان کا سچا دل، ان کی بے تکلف زندگی، ان کی بے نفسی، خدا ترسی، ان کی پاک بازی، پاکیزگی، ان کی شفقت ورافت اور ان کی شجاعت وجلادت، ان کا ذوقِ عبادت اور شوقِ شہادت، ان کی شہ سواری اور ان کی شب زندہ داری، ان کی سیم وزر سے بے پروائی اور ان کی دنیا سے بے رغبتی، ان کا عدل، ان کا حسن انتظام دنیا کی تاریخ میں اپنی نظیر نہیں رکھتا۔ مختلف قبائل، مختلف خاندانوں اور مختلف حیثیتوں کے افراد ایک خوش اسلوب، متحد القلوب خاندان میں تبدیل ہو گئے اور اسلام کی انقلاب انگیز تعلیم اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معجزانہ صحبت نے ان کو شیر وشکر بنا دیا۔" (بحوالہ: دو متضاد تصویریں)

مناقب صحابہ قرآن وسنت کی روشنی میں

یہی وہ جاں نثار ان رسول ہیں جن کو رضائے الٰہی کی قرآنی دستاویز حاصل ہے بیسیوں نہیں بلکہ سینکڑوں آیات

اور احادیث میں جنکے فضائل ومناقب امتیازات اور کمالات مختلف عنوانات اور زاویوں سے بیان فرمائے گئے ہیں۔ چنانچہ ارشاد باری ہے: حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اللہ تعالیٰ کے منتخب ومختار بندے ہیں اور حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد پوری دنیا کے لیے اسوہ ونمونہ ہیں۔ (سورہ حج:۷۸)

یہ حضرات اللہ تعالیٰ کے نہایت محبوب اور پسندیدہ بندے ہیں اور بخشے بخشائے ہیں، حتی کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو "رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ" کا پراونہ خوشنودی عطا فرمادیا ہے۔ (سورہ توبہ:۱۰۰) اور آخرت میں اللہ تعالیٰ نے ہر صحابی سے ان کے ایمان، انفاق اور جانی قربانیوں کے نتیجہ میں "جنت" کا اہم وعدہ فرمایا ہے۔ (سورہ حدید:۱۰)

اسی طرح احادیث مبارکہ میں حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے فضائل ومناقب بہت تفصیل کے ساتھ مذکور ہیں چنانچہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ "آپ صلی اللہ علیہ وسلم (کے انتخاب) کے بعد (اللہ تعالیٰ نے) لوگوں کے قلوب پر نظر ڈالی تو کچھ لوگوں کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب اور اپنے دین کے ناصر ومددگار اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وزراء اور نائبین کے طور پر منتخب فرمایا۔" (مؤطا امام محمد)

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا تعلق براہ راست نبی کریم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی سے ہے، اس لیے ان سے محبت حضور علیہ السلام سے محبت ہے اور ان سے بغض، بغض رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا شعبہ ہے۔ ان کے حق میں ادنیٰ لب کشائی ناقابل معافی جرم ہے۔ چنانچہ ارشاد نبوی ہے: اللہ سے ڈرو، اللہ سے ڈرو میرے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے معاملہ میں، مکرر کہتا ہوں، اللہ سے ڈرو۔ اللہ سے ڈرو، میرے صحابہ کے معاملہ میں، میرے بعد ان پر تنقید نہ کرنا؛ کیوں کہ جس نے ان سے محبت کی تو میری محبت کی بنا پر، اور جس نے ان سے بغض رکھا تو مجھ سے بغض کی بنا پر، جس نے ان کو ایذا دی اس نے مجھے ایذا دی اور جس نے مجھے ایذا دی اس نے اللہ کو ایذا دی، اور جس نے اللہ کو ایذا دی تو قریب ہے کہ اللہ اسے پکڑ لے۔ (ترمذی)

ایک دوسری حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم ناقدینِ صحابہ اور منافقین پر لعنت بھیجنے کا صریح حکم دیا ہے

کہ" جب تم لوگ حضرات صحابہ کرام کو گالی دیتے ہوئے (منافق) لوگوں کو دیکھو تو کہو کہ تمہاری بدگوئی پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو۔" (ترمذی)

ایک اور حدیث میں بہت ہی بلیغ ومؤثر اسلوب میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ" جو شخص حضرات صحابہ کرام کو گالیاں دے، اس پر اللہ تعالیٰ کی لعنت، فرشتوں کی لعنت اور تمام آدمیوں کی لعنت ہے، نہ اس کا فرض مقبول ہے اور نہ نفل (حکایت صحابہ)

صحابہ کرام؛ حق وباطل کا معیار ہیں

مولانا یوسف بنوری رحمہ اللہ نے صحابہ کرام پر تنقید کرنے والوں کے سلسلے میں رقمطراز ہیں: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ بعد کی امت کے لئے حق وباطل کا معیار ہیں، انہیں معیتِ نبوی کا جو شرف حاصل ہوا، اس کے مقابلہ میں کوئی بڑی سے بڑی فضیلت ایک جو کے برابر بھی نہیں، کسی بڑے سے بڑے ولی اور قطب کو ان کی خاکِ پا بننے کا شرف حاصل ہوجائے تو اس کے لئے مایۂ صد افتخار ہے، اس لئے امت کے کسی فرد کا خواہ وہ اپنی جگہ مفکرِ دوران اور علامۂ زماں ہی کہلواتا ہو، ان پر تنقید کرنا قلبی زیغ کی علامت ہے۔ (ماہنامہ البینات)

ناقدینِ صحابہ پر بے وقوفی کی قرآنی مُہر

اللہ تعالی نے قرآن مجید میں صحابہ کرام کے ایمان معیار قرار دیا ہے: جب ان سے کہا جاتا ہے ایمان لاؤ جیسے صحابہ نے ایمان لایا ہے تو منافقین کہتے ہیں کیا ہم ان بے وقوفوں کی طرح ایمان لائیں؟ اللہ تعالیٰ نے ناقدینِ صحابہ کا بغض واضح فرما کر منافقت کا پردہ فاش کرتے ہوئے تا قیام قیامت ان پر بے وقوفی کی مہر لگادی کہ یہی لوگ بے وقوف ہیں لیکن وہ اپنی بے وقوفی کو جانتے نہیں ہیں۔

علامہ آلوسی رحمہ اللہ نے روح المعانی میں سفاہت کی تشریح کرتے ہوئے دو معنی ذکر کئے ہیں:

(۱) خِفَّةُ الْعَقْل ہلکی عقل والے کہ ان کی عقل کمزور ہوتی ہے اسکا ثبوت یہی ہے کہ وہ صحابہ کرام جیسے عظیم

اشخاص کو ہدف تنقید بناتے ہیں۔

(۲)وَالْجَهْلُ بِالْاُمُوْرِ اور جو حقائق امور سے ناواقف ہو۔حقائق سے قطع نظر کرتے ہوئے ظاہری مفاد، حب جاہ اور مال ومنصب کی لالچ میں صحیح اور غلط کی تمیز سے قاصر رہتے ہیں۔

اس آیت کے ذیل میں اگر ناقدینِ صحابہ کا جائزہ لیں تو یہ معلوم ہوگا کہ درحقیقت ناقدینِ صحابہ اپنی شیطنت، دورخی اور نفاق کو ہوش وعقل اور درایت کی دلیل سمجھتے ہیں جو صریح بے وقوفی ہے۔

کیا یہ بیوقوفی نہیں کہ اپنی استعداد اور قوت کو شیطنت، سازش اور تخریب کاری کی راہ میں صرف کرے اور اس کے باوجود اپنے آپ کو عقلمند سمجھے؟

کیا یہ زمرہ سفاہت میں شامل نہیں کہ اجماعی عقیدہ کہ"تمام صحابہ عادل ہیں" سے روگردانی کرکے تحقیق کے نام پر صحابہ کرام کے مقدس گروہ پر تفسیق کا دروازہ کھولے؟

کیا یہ بے وقوفی نہیں کہ تنقیدِ صحابہ اور تنقیصِ اصحاب نبی جیسے باعثِ ننگ وعار کام پر مصر رہے؟ اس سے بڑھ کر اور کیا سفاہت اور منافقت کی مثال ہوسکتی ہے خون جگر سے اسلام کی آبیاری کرنے والے، فقر وفاقہ کے انتہا کے باوجود مکمل دیانت وامانت تقوی وطہارت کے ساتھ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال واعمال سیرت اور کردار کو جمع کرنے والے، چونسٹھ لاکھ مربع میل پر اسلامی حکومت کرنے والے اصحاب مصطفی کی سیرت وکردار کو داغدار بنایا جائے اور ان کی شخصیت کو گھناؤنے رنگ میں پیش کیا جائے' ان کے پر تنقید کی جائے' ان پر مال وجاہ کی حرص، خیانت' غصب اور کنبہ پروری' اقربا نوازی کے الزامات لگائے جائیں (الامان والحفیظ)

نسل نو کو دین بیزار کرنے کی مذموم کوشش

ذرا غور کیجئے!! وحی خداوندی نے جن حضرات کی تعدیل فرمائی' جن کے قلوب کو یقین محکم اور غیر متزلزل ایمان سے منور کیا' جن کے اخلاص وللّٰہیت پر شہادتیں دی ہو اور انہیں یہ رتبہ بلند عطا کیا ہو کہ وہ اصحاب رسول جیسے

عظیم لقب سے ملقب ہوئے ،اور جن کو یہ شرف عطا ہوا کہ رسالت محمد یہ علی صاحبہا الف الف تحیۃ وسلام کے عادل گواہوں کی حیثیت سے وہ ساری دنیا کے سامنے پیش کیے گئے اگر ان پر انگشت نمائی کی جارہی ہے تو دراصل دین کی مکمل عمارت کو منہدم کرنے کے مترادف ہے، اور نسل کو دین بیزار کرنے اور صحابہ کرام کے تقدس کو پامال کرنے کی ایک گھٹیا ترین کوشش ہے۔

کہا جاتا ہے کہ اگر گناہ ایک حد سے بڑھ جائے تو پھر انسان سے حسِ تشخیص چھن جاتی ہے بلکہ اس کی تشخیص برعکس ہوجاتی ہے اور ناپاکی وآلودگی اس کی طبیعت ثانوی بن جاتی ہے۔کہیں ایسا تو نہیں کہ نقد صحابہ کی وجہ سے حس تشخیص چھن گئی ہو، اپنے فاسد نظریات کو صحیح سمجھ کر ان سے چمٹے رہنے کا مرض لاحق ہوگیا ہو، کہیں ذہنی کجی، بے راہ روی کی وہ نچلی سطح پر تو نہیں پہونچ گئے ہو کہ اس سے صحیح کو صحیح اور غلط کو غلط کہنے کی استعداد ہی سلب ہوگئی ہو، پھر نہ کسی کے قول کا اثر، نہ کسی کی مخالفت کی پرواہ اور نہ ہی خدا ورسول کے سامنے جواب دہی کا احساس حب صحابہ کا تقاضہ تو یہ تھا ان کا تذکرہ پورے ادب اور لحاظ کے ساتھ کیا جاتا، تحریر وتقریر میں رعایت برتی جاتی؛ بایں وجہ کہ علامہ یوسف بنوری رحمہ اللہ نے لکھا ہے:

دین کے سلسلۂ سند کی یہ پہلی کڑی اور حضرت خاتم الانبیاء علیہ الصلوۃ والسلام کے صحبت یافتہ حضرات کی جماعت- معاذ اللہ- ناقابل اعتماد ثابت ہو، ان کے اخلاق واعمال میں خرابی نکالی جائے اور ان کے بارے میں یہ فرض کرلیا جائے کہ وہ دین کی علمی وعملی تدبیر نہیں کرسکے تو دینِ اسلام کا سارا ڈھانچہ ہل جاتا ہے اور خاکم بدہن رسالت محمد یہ مجروح ہوجاتی ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیث میں اپنی امت کو زوردار انداز میں متنبہ فرمایا ہے کہ" بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے (تمام بندوں میں) مجھے منتخب فرمایا ہے اور میرے لیے اصحاب، انصار اور رشتہ داروں کو منتخب فرمایا ہے ،عنقریب کچھ لوگ ایسے آئیں گے جو میرے اصحاب کو برا کہیں گے اور ان کی تنقیص (بے ادبی) کریں گے پس تم

ان کے ساتھ میل ملاپ نہ کرنا، نہ ان کے ساتھ کھانا پینا اور نہ ان کے ساتھ شادی بیاہ کرنا۔" (مرقاۃ)

حضرت ایوب سختیانی رحمہ اللہ سے حکایات صحابہ میں منقول ہے" جو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی بے ادبی کرتا ہے وہ بدعتی، منافق اور سنت کا مخالف ہے مجھے اندیشہ ہے کہ اس کا کوئی عمل قبول نہ ہو، یہاں تک کہ ان سب کو محبوب رکھے اور ان کی طرف سے دل صاف ہو۔" (حکایت صحابہ)

بلاشبہ حضرات صحابہ کرام تاریخ ساز، عہد آفریں شخصیات کا مجموعہ ہیں اور یہ حضرات اللہ تعالیٰ کی نعمت عظمی کے پرتو، حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تربیت کا ثمرہ اور اسلام کی صداقت کی دلیل وحجت ہیں، اور انہیں نقش پا کو چوم کر چلنا دارین میں عافیت کا باعث ہے۔

ذرا ان احادیث اور اقوال پر نظر کیجیے!!

خدارا اپنے ایمان کی فکر کیجئے!!

اپنی عاقبت کے بارے میں سوچئے!!

روز محشر اصحاب رسول سے کیسے سامنا کروگے؟ محدث رسول اللہ حضرت ابو ہریرہ، حضرت معاویہ، حضرت سعد بن ابی وقاص شیخین مکرمین کو کیا منہ دکھاؤ گے؟

حق تعالیٰ جل شانہ اپنے فضل سے ہمیں ہر طرح کی گمراہی سے محفوظ فرمائے اور صحابہ کرام کے نقش قدم پر چلتے ہوئے دنیا وآخرت کی سرخروئی عطا فرمائے آمین ثم آمین یارب العالمین

○❖○

صحابی پر تنقید نبی پر تنقید کے مترادف

مولانا محمد زبیر ندوی صاحب

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات والا صفات اپنے نبوی کارناموں اور ایک ایسی امت کی تشکیل کے اعتبار سے اس عظیم رتبے کی ہے جس کی نظیر نہ کبھی زمین وآسمان نے دیکھی نہ قیامت تک دیکھیں گے، ذات محمدی اپنے کمالات کی بناء پر بے مثال اور لازوال ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا جہاں سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ آپ نے خدا کی امانت" دین اسلام" کو بے کم وکاست پہنچایا اور اس کا حق ادا کیا وہیں آپ کا عظیم ترین کارنامہ یہ بھی ہے کہ آپ نے اپنے متبعین یعنی صحابہ کی ایک بڑی تعداد ایسی چھوڑی جن کی نظیر بھی قیامت تک نہیں مل سکتی، محدثین کے ایک اندازے کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت صحابہ کی تعداد کم وبیش ایک لاکھ چوبیس ہزار تھی، صحابہ کرام کی سیر وسوانح پر علامہ ابنِ حجر عسقلانی ودیگر محدثین کی کتب اس کی شاہد عدل ہیں۔

صحابہ کرام کے شرف وعظمت کے لیے اس سے بڑھ کر کوئی بات نہیں ہوسکتی کہ وہ محبوب کبریا تاجدارِ کونین نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کے بلاواسطہ شاگرد اور تربیت یافتہ ہیں، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انکے بالمشافہ استاد ومربی ہیں، یہ ایسا شرف ہے جو ان کے واسطے رب العالمین نے خاص کردیا تھا۔

یہ رتبۂ بلند ملا جسکو مل گیا
ہر مدعی کے واسطے دار و رسن کہاں

صحابۂ کرام کی دوسری سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات اور مزاجِ شریعت کو سب سے زیادہ سمجھنے والے ہیں، اجتہادی خطا یقینا ممکن ہے اور جس پر عنداللہ کوئی مواخذہ بھی

نہیں ہے؛ تاہم انکے علم وتقوی اور باطنی کمالات پر قطعاً حرف گیری نہیں کی جاسکتی۔

صحابۂ کرام کی تیسری خصوصیت یہ ہے کہ وہ رب العالمین کے پسندیدہ بندے اور خدا کی طرف سے کائنات کے لئے عملی نمونے ہیں، قرآن مجید کے سینکڑوں مقامات پر اللہ تعالیٰ نے اپنی زبان سے انکی تعریف و توصیف بیان کی ہے، اورانکونمونہ قرار دیا ہے۔قرآن مجید کی ان آیات پر غور کیجیے ذات قدسی نے واضح الفاظ میں مدح وستائش کرتے ہوئے انہیں نمونہ قرار دیا ہے:

وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ ءَامِنُوا كَمَا آمَنَ النَّاسُ (البقرۃ ۱۳) يَا أَيُّهَا الَّذِينَ ءَامَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَكُونُوا مَعَ الصَّادِقِينَ (التوبۃ ۱۱۹) اس آیت کی تفسیر میں علامہ ابنِ کثیر دمشقی نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا یہ قول کیا ہے وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ: ﴿اتَّقُوا اللَّهَ وَكُونُوا مَعَ الصَّادِقِينَ﴾ مَعَ مُحَمَّدٍ ﷺ وَأَصْحَابِهِ (تفسیر ابن کثیر: تفسیر سورۃ توبہ آیۃ ۱۱۹)

صحابۂ کرام خواہ کسی بھی درجے کے ہوں انکی ایک ایسی خصوصیت بھی قرآن مجید میں ذکر کی گیی ہے جو قیامت تک کسی کو حاصل نہیں ہوسکتی، قرآن مجید کے بیان کے مطابق تمام صحابہ (سوائے منافقین جو کہ حقیقتاً صحابہ ہیں ہی نہیں) بلاتفریق ادنی واعلی، سن وعمر، اپنے و بیگانے، اللہ کے محبوب بندے، بخشے بخشائے اور جنت کے مستحق ہیں، قرآن مجید میں یہ بشارت ان الفاظ میں نقل کی گیی ہے۔

وَالسَّابِقُونَ الْأَوَّلُونَ مِنَ الْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنصَارِ وَالَّذِينَ اتَّبَعُوهُم بِإِحْسَانٍ رَّضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ وَأَعَدَّ لَهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي تَحْتَهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا ذَٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ (التوبہ ۱۰۰)

مذکورہ بالا آیات اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی وضاحت کے بعد صحابہ کی کی اہمیت وفضیلت سمجھانے کی ضرورت نہیں، اس کے بعد بھی اگر کوئی شخص صحابہ پر یا کسی خاص صحابی پر تنقید کرتا ہے، انکے اجتہادی خطاؤں کو یا غلطیوں کو آشکارا کرتا ہے، یا لعن طعن کرتا ہے یا سخت الفاظ ان کے لیے استعمال کرتا ہے تو ایسا شخص خود مجرم اور واضح الفاظ میں گمراہ ہے، ایسا شخص گویا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تربیت کو ناقص سمجھتا اور آپکی معلمی میں عیب نکالتا

ہے، ایسے شخص کو گویا صحابہ کے علم وعمل پر اعتماد نہیں، جو بلاشبہ دین اسلام وتعلیمات اسلام کا بنیادی سرچشمہ ہیں، ایسا شخص خدا کی رضامندی سے گویا نالاں اور بیزار ہے، جب خدا تعالی نے انکے گناہوں اور خطاؤں کو معاف کر کے جنت کی بشارت اور اپنی رضامندی کا اظہار علی الاعلان کر دیا تو ایک ادنیٰ امتی جو انکے گھوڑے کے پیر کے دھول کے برابر بھی نہیں پہنچ سکتا اسکی کیا مجال کہ انہیں مطعون کرے، سخت سست کہے، ایسا شخص اس حد میں داخل ہو چکا ہے جہاں گمراہی اور خود فریبی کے سارے دروازے چوپٹ کھلے نظر آتے ہیں، قربان جایئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی فراست ایمانی پر کہ آپ نے اپنی زندگی میں ہی اس خطرے کو محسوس کر لیا تھا اور اپنے صحابہ کو برا کہنے اور انہیں نشانہ بنانے سے سختی سے منع فرما دیا تھا؛ بلکہ اپنی محبت کو انکی محبت سے وابستہ کر دیا تھا، اور اپنے ان سے بغض کو اپنے بعض کے ساتھ مربوط کر دیا تھا، اور ان کی تکلیف کو اپنی تکلیف سے تعبیر کیا تھا، روایت کے الفاظ ملاحظہ ہوں: **عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ زِيَادٍ ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مُغَفَّلٍ ، قَالَ : قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : " اللَّهَ اللَّهَ فِي أَصْحَابِي، لَا تَتَّخِذُوهُمْ غَرَضًا بَعْدِي، فَمَنْ أَحَبَّهُمْ فَبِحُبِّي أَحَبَّهُمْ، وَمَنْ أَبْغَضَهُمْ فَبِبُغْضِي أَبْغَضَهُمْ، وَمَنْ آذَاهُمْ فَقَدْ آذَانِي، وَمَنْ آذَانِي فَقَدْ آذَى اللَّهَ، وَمَنْ آذَى اللَّهَ فَيُوشِكُ أَنْ يَأْخُذَهُ**".(سنن الترمذي رقم الحديث ۳۸۶۲ أَبْوَابُ الْمَنَاقِبِ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ | بَابُ : فِيمَنْ سَبَّ أَصْحَابَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ فرامین تازیانہ ہیں ان افراد وشخصیات کے لیے جو امت محمدیہ کے ان انمول ہیروں کو بے مول کرنے اور انکی عزت وآبرو کو پامال کرنے پر تلے ہوئے ہیں، انہیں معلوم ہونا چاہیے کہ چاند پر تھونکنے سے اپنا ہی منہ گندا ہوگا چاند کی روشنی پھیکی نہیں پڑسکتی، اس موقع پر امام قرافی مالکی کی وہ بات بار بار ذہن میں آرہی جو شیخ عبدالفتاح ابوغدہ نے نقل کی ہے، امام قرافی لکھتے ہیں: **لو لم يكن لرسول الله صلى الله عليه وسلم معجزة إلا أصحابه، لكفوه لإثبات نبوته** (الرسول المعلم للشيخ عبد الفتاح أبو غدة ص: ۱۴) امام قرافی لکھتے ہیں: کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی معجزہ نہ بھی ہوتا تو آپ کے صحابہ ہی آپکی نبوت کے ثبوت کے لیے

کافی تھے،یعنی آپ کے صحابہ خود کسی معجزے سے کم نہیں اور ایسا کیوں نہ ہوتا انکے استاذ وہ ہیں جو امام الانبیاء اور سید الرسل ہیں،جن سے بڑھ کر معلم ومربی اور اخلاق کا پیکر مجسم زمین وآسمان نے نہیں دیکھا۔

اس موقع پر ان لوگوں کو غور کرنے کی سخت ضرورت ہے جو آپ کے صحابہ پر لعن طعن کر کے خود کو خدا و بندوں کی نظر میں رسوا کر رہے ہیں، یہ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک بڑے معجزے کے گویا منکر اور آپ کی تربیت پر حرف گیر ہیں۔اللہ تعالی سے دعا ہے کہ انہیں عقل سلیم عطاء فرمائے اور صحابہ کی قدردانی کی توفیق عطاء فرمائے آمین یارب العالمین۔ایں دعا از من واز جملہ جہاں آمین باد

❍❖❍

ماہِ صَفرُ المُظَفَّر اور مروَّجہ تصوُّرات کی حقیقت

مولانا مفتی مبین الرحمٰن صاحب
فاضل جامعہ دار العلوم کراچی

ماہِ صفر قمری اسلامی سال کا دوسرا مہینہ ہے، یہ عام مہینوں کی طرح ایک مہینہ ہے، اس لیے:

اس مہینے اور اس کے کسی بھی دن سے متعلق کوئی خصوصی فضائل ثابت نہیں۔

اس مہینے اور اس کے کسی بھی دن سے متعلق کوئی خصوصی اعمال اور عبادات ثابت نہیں۔

اس مہینے اور اس کے کسی بھی دن سے متعلق کوئی خصوصی نظریات اور خیالات ثابت نہیں۔

ماہِ صفر سے متعلق بے بنیاد توہُّمات:

ماہِ صفر سے متعلق زمانہ جاہلیّت میں بھی طرح طرح کے بے بنیاد توہُّمات رائج تھے اور دورِ حاضر میں بھی منگھڑت تصوُّرات عام ہیں، جیسے:

ماہِ صفر نحوست والا مہینہ ہے۔

ماہِ صفر میں آسمان سے آفتیں اور بلائیں نازل ہوتی ہیں۔

ماہِ صفر میں جِنّات کی کثرت ہوجاتی ہے۔

ماہِ صفر میں شادی بیاہ اور خوشی کی تقریبات منعقد نہیں کرنی چاہیے۔

ماہِ صفر میں سفر کرنا، کوئی منصوبہ بنانا یا گھر کی تعمیر کرنا اچھا نہیں۔

الغرض اس طرح کی بہت سی بے بنیاد باتیں، توہُّمات، تصورات اور خیالات عام ہیں۔

ماہِ صفر سے متعلق بے بنیاد توہّمات کی تردید:

ماہِ صفر سے متعلق ان تمام تر بدشگونیوں، بدفالیوں، توہُّمات اور نحوست کے خیالات نہایت ہی منگھڑت اور غلط ہیں، خود حضور اقدس ﷺ نے ماہِ صفر سے متعلق ان تمام باتوں کی تردید فرمائی ہے، چنانچہ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: ''مرض کا اللہ کے حکم کے بغیر دوسرے کو لگنا، بدشگونی، مخصوص پرندے کی بدشگونی اور صفر کی نحوست؛ یہ ساری باتیں بے بنیاد ہیں جن کی کوئی حقیقت نہیں۔'' جیسا کہ صحیح بخاری میں ہے:

۵۷۶۷ - عَنْ أَبِي صَالِحٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: لَا عَدْوَى وَلَا طِيَرَةَ وَلَا هَامَةَ وَلَا صَفَرَ.

اس حدیث میں صفر سے متعلق تمام تر بدشگونیوں، بدفالیوں، توہُّمات اور نحوست کے خیالات کی بالکلیہ نفی ہوجاتی ہے۔ یہ حدیث یقیناً متعدد غلط فہمیوں کی اصلاح کے لیے کافی ہے۔

ماہِ صفر المظفر میں شادی کرنے کا حکم:

ماقبل کی تفصیل سے یہ بات بھی بخوبی واضح ہوجاتی ہے کہ ماہِ صفر میں شادی کرنا بالکل جائز ہے، اس لیے جو لوگ ماہِ صفر کو نحوست والا مہینہ قرار دے کر اس میں شادی نہیں کرتے وہ صریح غلطی کا شکار ہیں کیوں کہ قرآن وسنت میں اس بات کا کوئی ثبوت نہیں ہے، بلکہ احادیث میں اس نحوست والے عقیدے کی تردید کی گئی ہے۔ اور یہ بھی یاد رہے کہ بعض مؤرِّخین کے مطابق اس ماہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا نکاح حضور اقدس ﷺ کی صاحبزادی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے ہوا۔ (البدایہ)

وضاحت:

حضرت علی اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہما کے نکاح سے متعلق اختلاف ہے کہ کس مہینے میں ہوا، اس حوالے سے محرم، صفر یا ذوالقعدہ کا ذکر ملتا ہے۔ (سیرۃ مصطفی ﷺ، حضرت اقدس مولانا ادریس کاندھلوی رحمہ اللہ)

اسلام میں نحوست کا تصور:

اسلام میں کسی دن، کسی مہینے، کسی سال، کسی مکان، کسی انسان، کسی سواری یا ان کے علاوہ کسی اور چیز کی نحوست کا کوئی تصور ہی نہیں، اس لیے نحوست کا یہ نظریہ ہی بے بنیاد ہے، جیسا کہ ماقبل کی حدیث سے بھی بخوبی ثابت ہوجاتا ہے، اس سے واضح طور پر عوام میں رائج نحوست سے متعلق تمام نظریات کی تردید ہوجاتی ہے۔

نحوست کی اصل وجہ گناہ اور نافرمانیاں ہیں:

البتہ یہ یاد رکھیں کہ نحوست صرف اور صرف گناہ اور بداعمالی میں ہے، ساری نحوستیں اللہ کی نافرمانی کے نتیجے میں پیدا ہوتی ہیں، افسوس کہ آج کا مسلمان دِنوں، مہینوں اور چیزوں کو نحوست زدہ قرار دے کر ان سے تو گریز کرلیتا ہے لیکن اللہ کی نافرمانیاں نہیں چھوڑتا جو کہ نحوست کی اصل وجہ ہے!! جھوٹ، دھوکہ، غیبت، بدنظری، خیانت، ناچ گانے، بے حیائی، مخلوط تقریبات، ہندوانہ رسومات، شادی بیاہ کی ناجائز خرافات، غیروں کی نقالی اور حرام خوری سمیت بہت سی اللہ کی نافرمانیاں عام ہوچکی ہیں، یہ اصل سبب ہے نحوست کا!! شیطان نے نحوست کے حقیقی اسباب و وجوہات ہماری نگاہوں سے پوشیدہ کرلی ہیں جن میں ہم مبتلا ہیں، اور اللہ کو ناراض کرکے عذاب اور بربادی کا سامان مہیا کیے جاتے ہیں!! آج ہم بے بنیاد توہمات اور تصورات کی وجہ سے تو خوف کا شکار ہوجاتے ہیں لیکن گناہوں کی وجہ سے خوفزدہ نہیں ہوتے!! آج اپنی سیاہ کاریوں کی طرف توجہ ہی نہیں دیتے کہ ان کی وجہ سے ہم کتنے سنگین عذاب بھگت رہے ہوتے ہیں!! شیطان نے ہماری نافرمانیوں کو کس قدر مزیّن کرکے پیش کیا ہے!! کس قدر شیطان نے گناہوں کی سنگینی دِلوں سے مٹادی ہیں!! اللہ کی نافرمانی کس قدر ہلکی چیز تصور کی جاتی ہے!! یہ یاد رہے کہ دنیا کی ساری نحوستیں اور بربادیاں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کے نتیجے میں وجود پاتی ہیں، جبکہ ساری برکتیں اور کامیابیاں تقویٰ یعنی گناہوں سے بچنے کے نتیجے میں نصیب ہوتی ہیں۔

ماہِ صفر کے آخری بدھ کی شرعی حیثیت:

ماہِ صفر کے آخری بدھ سے متعلق بھی بے بنیاد باتیں اور اعمال عام ہیں جیسے:

حضور اقدس ﷺ نے صفر کی آخری بدھ کو غُسلِ صحت فرمایا تھا۔

حضور اقدس ﷺ نے صحت ہوجانے کی خوشی میں چوری پکا کر تناول فرمائی تھی اور تقسیم فرمائی تھی، اس لیے ہمیں بھی یہ پکانی چاہیے۔ (چوری ایک میٹھی روٹی ہوتی ہے جس کو پیس کر چورا چورا کر دیا جاتا ہے۔)

بعض لوگ اسی خوشی میں اس دن نفلی روزہ رکھتے ہیں۔

واضح رہے کہ شریعت میں ماہِ صفر کے آخری بدھ کی کوئی شرعی حیثیت نہیں، اس حوالے سے کوئی فضیلت یا عمل ثابت نہیں، اس لیے یہ تمام باتیں منگھڑت ہیں۔

ماہِ صفر کے آخری بدھ کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے غُسلِ صحت کی حقیقت:

عوام میں یہ بات رائج ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے صفر کی آخری بدھ کو اپنی بیماری سے شفایابی کے بعد غُسلِ صحت فرمایا تھا۔ واضح رہے کہ یہ بات ہرگز درست نہیں اور یہ کسی بھی دلیل سے ثابت نہیں۔ بلکہ جو صحیح بات ثابت ہے وہ اس کے برعکس ہے کہ ماہِ صفر کی آخری بدھ کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مرضِ وفات شروع ہوا تھا یا اس میں شدت واقع ہوئی تھی۔ دیکھیے: سیرۃِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم از حضرت مولانا ادریس کاندہلوی رحمہ اللہ، اور سیرتِ خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم از مفتی اعظم پاکستان مفتی شفیع صاحب رحمہ اللہ۔

ماہِ صفر کے اختتام کی خوشخبری سے متعلق ایک حدیث کا جائزہ:

عوام میں یہ حدیث مشہور ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ:

من بشرني بخروج صفر بشرته بدخول الجنة.

ترجمہ: ''جس شخص نے مجھے ماہِ صفر ختم ہونے کی خوشخبری دی تو میں اس کو جنت کی بشارت دوں گا۔''

تبصرہ:

یہ حدیث ہرگز نہیں بلکہ یہ ایک منگھڑت بات ہے، متعدد محدثین کرام نے اس کو بے بنیاد اور منگھڑت قرار دیا ہے، ملاحظہ فرمائیں: الموضوعات للصغانی، تذکرۃ الموضوعات للپٹنی، تذکرۃ الموضوعات للمقدسی۔ اسلیے اس کو حدیث سمجھنا یا اس کو آگے پھیلانا ہرگز جائز نہیں بلکہ یہ حضور اقدس سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر بہتان کے زمرے میں آتا ہے جس پر شدید وعید وارد ہوئی ہے۔

کشف الخفاء ومزیل الالباس میں ہے:

۲۴۱۸- من بشرني بخروج صفر بشرته بالجنة.قال القاري في «الموضوعات» تبعا للصغاني: لا أصل له. موضوعاتِ صغانی میں ہے: **ومنها قولهم: من بشرني بخروج صفر بشرته بدخول الجنة.**

❍❖❍

امتی باعث رسوائی پیغمبر ہیں

(بارہ ربیع الاول کے تناظر میں)

مفتی احمد عبید اللہ یاسر قاسمی

محبت ایک پاکیزہ جذبہ اور صحیح میلان کا نام ہے، محبت میں اگر جذبۂ صادق اور طلب حقیقی ہو تو اس میں اطاعت وفرمانبرداری، احترام واکرام کا عنصر خود بخود شامل ہوجاتا ہے، فلاں شخص دعوی کرے کہ وہ کسی سے محبت کرتا ہے مگر اسکی ضروریات اور اسکے منشاء کے مطابق اس سے پیش نہیں آتا اور اسکے تقاضوں کو نظر انداز کر رہا ہے تو کیا کوئی اس کی محبت کے دعوی کو تسلیم کرے گا؟ ہرگز نہیں! محبت تو محبوب کے تقاضے سے مشروط ہوتی ہے، اگر تقاضے اور منشاء کی تکمیل نہ ہو تو دعوی بے بنیاد اور کھوکھلا ہونے میں کسی کو شک وشبہ نہیں ہوتا بعینہ اگر ہمیں اُحمد مجتبی محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے سچی محبت ہے تو آپ کے تقاضے اور منشاء پر عمل ہونا چاہیے ورنہ تو عشق رسول کا دعویٰ سراسر بے بنیاد اور بے اصل ہوگا۔

ظہور قدسی

آج سے ساڑھے چودہ سو سال قبل ظلمت کدہ عالم میں خداوند عالم نے وہ عظیم الشان ہستی کو مبعوث فرمایا جو رسولوں کے سردار اور ختم نبوت کے علمبردار تھے، جو دعائے خلیل اور نویدِ مسیحا کا ظہور تھے، جو ایسی مقدس شریعت سے سرفراز فرمائے گئے تھے جو تا قیامت جاری وساری رہنے والی ہے، جنہیں ایسا کلام معجز عطا فرمایا گیا تھا جو بنی نوع آدم کے لئے آخری سانس تک قانون کی حیثیت رکھتا ہے، جس کے بعد کسی نبی یا رسول کی کوئی ضرورت باقی نہ رہ گئی ہو، ایسا کامل ومکمل دین عطا فرمایا جس کو الیوم اکملت لکم الخ کے ذریعے خدائی سند حاصل

ہے ؎

کچھ بھی پیغام محمد کا تمھیں پاس نہیں

مگر افسوس اسی شریعت کے نام لیوا، محبت رسول کا دعویٰ کرنے والے مسلمانوں نے شریعت محمدی میں بہت ساری تحریفات کر کے ایسے رسوم ورواج بدعات وخرافات کو دین اسلام کا نام دیے دیا ہے جسکا ماضی میں کوئی تذکرہ نہیں ملتا، دور نبوت، دور صحابہ، دور تابعین تبع تابعین، کہیں پر بھی اسکی شہادت نہیں ملتی بلکہ ہندوؤں اور غیر مسلم اقوام کی صحبت اور جہالت نے مذہب اسلام کے متبعین میں بہت سارے خرافات کو رواج دیا ہے مقام حیرت ہے کہ جہاں ایک طرف سادہ لوح مسلمان ان باطل اور جاہلانہ رسم ورواج کو اسلام کا نام دے کر ثواب کی امید پر بڑھ چڑھ کر اس میں حصہ لیتے ہیں تو وہیں دوسری طرف افسوس کی انتہا نہیں رہتی ان حضرات پر جو شریعت کے علم کے باوجود محض نام ونمود، دنیوی اغراض، سیم وزر کی لالچ میں بدعات ورسومات، جاہلانہ عقائد اور باطل نظریات کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کا نام دے کر سادہ لوح عوام کو گمراہی کے ایک عمیق اور تاریک غار میں دھکیل رہے ہیں؛ حد تو یہ ہے کہ اپنے بیانات اور بھڑکانے والی تقاریر میں صحیح العقیدہ مسلمانوں پر کفر کا فتویٰ لگا کر ان سے تعلقات کے ختم کرنے، میل جول اور سلام ومصافحہ پر قدغن لگا کر مسلم اتحاد واتفاق یکجہتی وامن پسندی کو ناقابل تلافی نقصان پہنچا رہے ہیں (فواسفاہ) علامہ اقبال نے شاید اسی کی عکاسی کی ہے۔

قلب میں سوز نہیں روح میں احساس نہیں
کچھ بھی پیغام محمد کا تمھیں پاس نہیں

بدعت کی اصل وجہ

ہمارے معاشرے کا المیہ یہ ہے کہ ہم تاریخ دانی اور سیرت رسول، اور اسلامی تعلیمات سے بہت حد تک نا آشنا ہیں، بلکہ اسلامی تعلیمات اور تاریخ کو موجودہ دور کے جدت پسند عناصر نے قدیم دقیانوسیت اور اسلاف پرستی، تنگ نظری اور جمود کا نام دے کر مسلمانوں کو اس سے بتدریج دور کر دیا ہے؛ جسکے نتیجے میں احقاق حق اور

ابطال باطل کی تمیز کا فقدان پوری امت مسلمہ پر مسلط ہے تبھی تو آئے دن بدعات وخرافات، باطل نظریات، اور غلط عقائد وافکار کی ایک بھر مار ہوتی ہے جو امت مسلمہ کے اتحاد اور سالمیت کو دن بہ دن نقصان پہنچا رہے ہیں اہل باطل ان بدعتوں پر دین کا لیبل چسپاں کر کے عوام الناس کے سامنے پیش کرتے ہیں اور عوام دینی جہالت، دینی ناخواندگی کی وجہ سے اس پر عمل پیرا ہو جاتے ہیں، رفتہ رفتہ وہ بدعتیں معاشرے میں پھیل کر اس کی جڑیں مضبوط ہو جاتی ہیں۔

ولادتِ رسول نو یا بارہ

تاریخ نویسوں کے درمیان ولادتِ مبارکہ کی تاریخ میں کافی اختلاف ہے، کسی نے ۲ ربیع الاول کہا، تو کسی نے ۸ ربیع الاول، تو بعض نے ۹ ربیع الاول تو کچھ اوروں نے ۱۲ ربیع الاول کہا، جمہور علماء کے نزدیک ولادتِ مبارکہ کی تاریخ ۱۲ ربیع الاول ہے لیکن نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کے دن پر کسی کا اختلاف نہیں متفقہ قول ہے کہ بروز پیر نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کا ظہور قدسی ہوا، تاریخ دانوں فلکیات کے ماہروں نے پوری تحقیق کے ساتھ کہا ہے کہ ولادت مبارکہ کی تاریخ دن کے حساب سے ۹ ربیع الاول ہوتی ہے، ساتھ ہی بہت سے محقق سیرت نگاروں اور مورخین کی تحقیق بھی یہی ہے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت نو [۹] ربیع الاول کو ہوئی؛ چنانچہ ان میں ہندستان کے مایہ ناز مورخ قاضی محمد سلیمان منصور پوری رحمۃ اللہ علیہ (مصنف رحمۃ للعالمین) علامہ محمد طلعت (مصنف دول العرب والاسلام) علامہ رشید رضا مصری رحمۃ اللہ علیہ، مولانا ابوالکلام آزاد رحمۃ اللہ علیہ (مصنف رسول رحمت) علامہ شبلی نعمانی رحمۃ اللہ علیہ (مصنف سیرت النبی) مولانا اکبر شاہ نجیب آبادی رحمۃ اللہ علیہ (مصنف تاریخ اسلام) شاہ معین الدین احمد ندوی رحمۃ اللہ علیہ (مصنف تاریخ اسلام) مولانا ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ (مصنف نبی رحمت) مولانا صفی الرحمن مبارکپوری رحمۃ اللہ علیہ (مصنف الرحیق المختوم) شامل ہیں

عید میلاد النبی کی بدعات

عصر حاضر میں جہاں دیگر اور بھی بہت سے بدعات وخرافات ہیں وہیں ان میں سرفہرست "عید میلاد النبی" ہے، اگر حقائق اور غیر جانبداری سے دیکھا جائے تو حقیقت میں نا تو یہ عید ہے اور نہ ہی کوئی اور اسلامی تہوار، محض ایک دکھاوا اور عیسائیوں کی طرح ایک رسم ہے جسے مسلم معاشرے کا ایک کثیر طبقہ دین سمجھتا ہے، جسے بطور عبادت بغرضِ حصولِ ثواب منایا جاتا ہے، جلسے جلوس کا اہتمام، محفل میلاد کا انعقاد ہوتا ہے، بازاروں اور گلی کوچوں کو برقی قمقموں سے منور کیا جاتا ہے، آلات موسیقی اور ڈھول کا استعمال ہوتا ہے، مال کا بے جا اسراف ہوتا ہے، سڑکیں بند کر دی جاتی ہیں، جلسے جلوس کی وجہ فرض نمازوں کا چھوڑا جاتا ہے، مدحِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں حد تجاوزی ہوتی ہے، حتی کہ نبی کو اللہ کی صفات میں برابری کا درجہ دیا جاتا ہے (نعوذ باللہ من ذالک) یہ بھی عقیدہ رکھا جاتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی روح مبارک ان کے ذکر کے وقت حاضر ہوتی ہے اور وہ عبادات کو دیکھ کر خوش ہوتے ہیں، جبکہ یہ سب صریح بدعات ہیں جنکی کوئی اصل نہیں ہے

اللہ رحم فرمائے اس امت پر کہ اب تو عیسائیوں کی روش پر چل کر happy birthday day of Muhammad Rasulullah کے نام پر cake بھی کاٹا جارہا ہے، مجلس میں یارسول اللہ کا نام لے کر تالیاں بجائی جاتی ہیں، دل خون کے آنسو روتا ہے، کلیجہ منھ کو آجاتا ہے، آہ! اس بدبختی وہ حرمان نصیبی کو کیا نام دیا جائے، اس عظیم الشان ہستی کے محترم ومعظم نام اور سیرتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے باعظمت عنوان پر اس طرح کے بدعات وخرافات! کچھ دیر کے لیے شیطان کی پیشانی بھی احساسِ ندامت سے عرق آلود ہوجاتی ہوگی، شاید علامہ اقبال نے انہیں کے بارے میں کہا تھا۔

ہاتھ بے زور ہیں الحاد سے دل خوگر ہیں
امتی باعث رسوائی پیغمبر ہیں

مانا کہ یہ ماہ سعادت ہے اِس مقدس ومسعود موقع پر کائنات کی سب سے عظیم ترین شخصیت کے وَجود نے

اِس مبارک مہینے کی عظمتوں کو چار چاند لگائے ہیں، لیکن اس سے بڑھ کر ہمارے لئے یہ مقام افسوس ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ ہمیں سرفراز فرمایا تھا آج ہمارا ان سے کوئی واسطہ نہیں رہا، جو روحانیت عطا کی تھی آج ہم اس سے تہی دست ہیں، جن نعمتوں سے امت کو بہرہ ور کیا تھا آج ہم ان سے محروم ہیں، ہاں یہ مقام غم و بکا ہے عصر حاضر میں امت مسلمہ اپنے شامت اعمال کی بنا پر ذلت و رسوائی کے ساتھ جی رہی ہے ہم آقا سے غلام، حاکم سے محکوم، غنی سے مفلس، زردار سے بے زر بلکہ بے گھر ہو چکے ہیں، کاش!! ہم یہ سوچتے کہ ہماری زبان جس مقدس ہستی کی محبت کا دم بھر رہی ہے، جس کے عشق کا دعویٰ کر رہی ہے کیا وہ حقیقت ہے؟ کیا عشق رسول کا یہی پیمانہ ہے؟ کیا اسکے تقاضے یہی ہیں؟ کیا آج ہمارا عشق، صحابہ کے عشق رسول سے مختلف تو نہیں؟ کیا ہمارا ہر عمل اس دعویٰ محبت کا گواہ ہے؟ کیا ہمارا وجود اس عظیم ترین ہستی سے میل کھاتا ہے؟ کیا یہ طریقہ سنت رسول یا محبان رسول اور عاشقان نبی سے ثابت ہے؟ اگر جواب نفی میں ہے تو یقین رکھئے! یہ عشق و محبت کا ڈھونگ فریبِ نفس علاوہ کچھ اور نہیں ہے، اپنے آپ کو دھوکہ دینے کے علاوہ اسکی کوئی حقیقت نہیں ہے۔

محبت رسول کا حقیقی مطلب

محمد کی محبت دین حق کی شرط اول ہے
جو ہو اس میں خامی تو سب کچھ نا مکمل ہے

عشق سچا ہو تو سینہ جلتا ہے، ایک آگ اندر لگتی ہے، اور اندر ہی سلگتی ہے، عشق ہو جائے تو لب سل جاتے ہیں، سر بازار ناچتا نہیں پھرتا، اندرونی آلائشیں پاک ہونے لگتی ہیں، ایک تڑپ محبوب جیسا بننے کی، ایک لگن نقش پا پر چلنے کی کوئی لمحہ چین نہیں لینے دیتی، ہر لحظہ خوف دامن گیر رہتا ہے کہ کوئی ایسی حرکت سرزد نہ ہو جائے جو ناگوار خاطر ہو، ہم غور کریں کہ کیا ہماری محبت ایسی ہی ہے یا نہیں؟ ہم جب اپنے گریبان میں جھانک کر دیکھتے ہیں تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کے اس دعوے میں کھوکھلے نظر آتے ہیں کیونکہ محب تو ہر حال میں محبوب کا تذکرہ حرزِ جاں رکھتا ہے، اور اگر ہماری محبت میں صداقت ہوتی، ہمارے عشقِ رسول میں ایک لگن ایک تڑپ ہوتی؛ تو آج امت مسلمہ کی یہ حالتِ زار

ہرگز نہ ہوتی ،مسلمان شریعت سے اس قدر بیگانہ نہ ہوتا،ہم حضور کی آنکھوں کی ٹھنڈک نماز کے عادی ہوتے ،اِتباعِ سنت ہمارا طرۂ اِمتیاز ہوتا،اورتقوٰی وہ طہارت پاکی وہ نظافت ہمارا شعار ہوتا۔

عربی کا ایک مشہور شعر ہے جو حقیقت کا غماز ہے۔

تعصي الاله و انت تُظهِرُ حبَّه هذا محالٌ و في القياسِ بديع

لو كان حبُّك صادقًا لأَطَعْتَه لِأَنَّ المُحِبَّ لِمَنْ يُحِبُّ يُطِيع

تم زبان سے اللہ کی محبت کا اظہار کرتے ہواورعمل سے اس کی نافرمانی اورمخالفت۔محبت اورمخالفت کو یکجا ہونا ازروئے عقل نہایت عجیب؛ بلکہ محال ہے۔اگرتمہاری محبت سچی ہوتی توتم یقینی طور پراس کی اطاعت کرتے؛ کیونکہ محب وعاشق اپنے محبوب کا اطاعت گذاراورفرماں بردار ہوتا ہے۔

دھرمیں اسمِ محمد سے اجالا کردے

آج امت مسلمہ بہت تکلیف دہ وروح فرسا حادثات سے گزررہی ہے،امت مسلمہ کا وجود کئی صدیوں سے مسلسل ولگاتارنت نئےفتنوں حادثوں وسازشوں اورکفارکی یورشوں کی زدمیں ہے،بات ہمارے اِیمان تک آپہونچی ہے،ہمارے اعمال بدسے بدتر ہوتے جارہے ہیں غضب بالائے غضب یہ ہے کہ ہم ابھی بھی غافل ہیں،کیااب بھی ہمیں یہ حق حاصل ہے کہ ہم ربیع الاول میں ولادت رسول کے نام پرجشن منائیں؟یہ خواب غفلت سے بیدار ہونے کا وقت ہے خدارا!!ظاہری دل آویزیوں پرنہ جایئے،خرافات کی ظاہری چمک دمک دیکھ کردھوکے میں نہ آیئے،رسمی مجلسوں کی آرائش سے پہلے اپنی حالت زارپررحم کھایئے،سڑکوں اورچوراہوں پرقندیل روشن کرنے کے بجائے اپنے قلوب کونورِایمانی سے منورکرنے کی کوشش کیجئے،ان عقائد سے اپنا دامن چھڑایئے اوراللہ تعالیٰ کے احکام پرعمل پیرا ہونے کا عہد کیجئے،تب جاکرقوم مسلم ایک بارپھرترقی راہ پرگامزن ہوگی۔

قوتِ عشق سے ہر پست کو بالا کردے
دھرمیں اسمِ محمد سے اجالا کردے

جان بہاراں...!

حضرت مفتی محمد اجود اللہ پہولپوری مدظلہ
نائب ناظم مدرسہ عربیہ بیت العلوم سرائے میر

ماہ ربیع اس جان بہاراں کی یادوں کی پھوار اور رنگِ گل ونکہت گلستاں اور محاسن ومعالی کی برکھا لیکر آتا ہے جس کے فیوض وبرکات سے ایک خطہ نہیں ایک ملک نہیں ایک قرن نہیں بلکہ اٹھارہ ہزار عالم تر بتر اور رحمت کی رم جھم برسات وسیلاب میں غرقاب ہو گئے بلکہ تا قیامت سارے انسان اور انکی ڈھیروں انسانیت رحمت کے اس تالاب میں غوطہ زن ہوتی اور خود کو تازہ دم پاتی رہے گی۔

خدائی رنگ اور مصطفائی چمک سے یہ دنیا ظلمت وتاریکی کی آماجگاہ دنیا روشن ومنور ہوتی رہے گی، دنیا کی ایک اک گلی، ایک اک کوچہ اور چپہ چپہ ان کی داستان محبت کی روشنی کو سمیٹے سرشار ومست خدا کی وحدانیت کی دعوت دیتا رہے گا، گردش لیل ونہار انکے اور انکے رب کے نام لیواؤں کے صدقہ وطفیل اپنے کام پہ لگے رہیں گے۔

لیکن جس دن وہ جان بہاراں اس دنیا سے بھلا دیا جائیگا اسی دن گردش ارض وسماء ساکت وجامد ہو جائینگے پوری دنیا کا نظام درھم برھم ہو جائیگا جب تک انکی تعلیمات پر عمل آوری ہوتی رہی یہ آسمان مثل سائبان ہمارے سروں پہ بنا رہے گا، زمین قدم کے بوجھ کو سہتی رہے گی، شمس وقمر اعتدال کے ساتھ گرم وسرد روشنی اور انرجی نچھاور کرتے رہیں گے، پھولوں سے اٹھنے والی خوشبوئیں جسم وجان کو معطر کرتی رہیں گی، جانوروں کے تھنوں سے دودھ کے فوارے ابلتے اور نسل نو کی پرورش کا سبب بنتے رہیں گے، زمین برگ وبار ھی نہیں زعفران وصندل ارسال

کرتی رہے گی اور یہ سب کچھ تب تک جب تک اللہ اور اللہ کے رسول کے نام لیواؤں اور انکے غلاموں کی طرف سے نعرۂ مستانہ فضاء میں بلند ہوتا رہے گا، اللہ اور اسکے رسول کے نام کی برکت صرف انکے غلاموں کا ہی حصہ نہیں بنیں گی؛ بلکہ اس کے نام کے صدقہ دشمنوں کو بھی رزق ملتا رہے گا، اتنا ہی نہیں ملک وحکومت بھی مقدر ہوتی رہے گی "**کلو وتمتّعوا قلیلا انکم مجرمون**" کا اعلان بھی قرآن کریم کرتا رہے گا؛ اسلئے کہ بادشاہ جہاں اپنے وزیروں اور مشیروں کے آرام وطعام کا انتظام کرتا ہے وہیں سلاخوں کے پیچھے قیدیوں اور باغیوں کو بھی بھوکا رکھنا اپنی شان رحمت کے خلاف سمجھتا ہے۔

ماہ ربیع وہ مہینہ ہے جس میں رب کریم نے ایسی جسیم وعظیم نعمت انسانوں کو عطاء فرمائی، ہم ڈیزل و پٹرول کے ذخیروں کو زمین کی تہ سے نکال لانے والے اور سونے و چاندی کے زرات پہاڑوں کی کوکھ سے چھان لانے اور چاند پر کمند ڈالنے واسکی پیائش کرنے والوں کی ذمہ داری بنتی ھیکہ ایسی ذات مقدس اور اسکے فرمودات کو کھوج نکالیں اسکو اپنا آئیڈیل اور اپنی زندگی کا نمونہ بنائیں پر افسوس ایسی رحمت اور دولت کے حصول کیلئے ہمارا ذھن جامدھو کے رہ جاتا ہے ہم سستی وکاہلی کے شکار ہوجاتے ہیں؛ جبکہ شریعت وسنت نامی یہ ذخیرہ کاغذوں کی سطح پہ تیر رھا ہے موبائلوں کی میموری اسکا مخزن اور لیپ ٹاپوں وانٹرنیٹوں کی زمین اسکا معدن ہے۔

ہمیں صرف اسکرین پہ انگلی پھیرنی ہے ساتویں زمین کی تہہ میں نہیں جانا ہے کتابوں کے اوراق پلٹنے ہیں، پہاڑوں کی چٹانیں نہیں توڑنی ہیں، یہ رحمت نضاخہ اور انوار ساطعہ تو ہمیں خدام دین کے سینوں، علم وعمل کے حاملوں کی قربت وصحبت سے بھی حاصل ھو سکتے ھیں اسکے لئے ہمیں کسی پاور ھاؤس کی بھی ضرورت نہیں اور نہ ھی کسی قسم کی بل کا کوئی بوجھ اٹھانا ہے روم فارس کا سفر بھی شرط نہیں بس مسجد وخانقاہ کی ٹوٹی ہوئی چٹائیوں پر بسیرا ڈالنے والوں کی معیت ہی کافی ہے۔

رب کریم کی فیاضی کے کیا کہنے شریعت وسنت کا وہ فیض جو ابوبکر وعمر، عثمان وعلی رضوان اللہ علیھم اجمعین کو

دست رب متعال سے ارزاں ہوا تھا وہ آج بھی مولی کی فیاضی اور جان بہاراں کے صدقہ رواں دواں ہے مخلص عاملین و متبعین کیلئے آج بھی جنت کے تمام راستے ویسے ہی کھلے ہوئے ہیں، جیسے قرن اول کے نام لیواؤں کیلئے کھلے پڑے تھے، رب ذوالجلال کی رضاء وخوشنودی پر آج بھی کوئی قدغن نہیں "کل حسنة بعشر امثالها" کا ضابطہ آج بھی باضابطہ وہی ہے مگر ہماری غفلت شعاری، بے حسی روز افزوں ہے نعمت دائمی وسرمدی یعنی ماہ ربیع الاول میں نصیب شدہ ذات گرامی کا نفع اسکی طرف سے بے التفاتی ہورہی ہے اور جو فانی وجانی ہے جسکے آنے جانے کی خبر نہیں جس کا اگلا ایک منٹ بھی آپکے زندگی میں یقینی نہیں- بقول خسرو بارگاہ تھا نو یہ ؎

بس اتنی سی حقیقت ہے فریب خواب ھستی کی
کہ آنکھیں بند ھوں اور آدمی افسانہ بن جائے

(خواجہ مجذوب)

اسکے پیچھے ذلیل وخوار ہیں زندگی کی ساری انرجی نہ باقی رہنے والے اعمال وافعال پہ ضائع ہورہی ہے ؛شاید اسلئے کہ یہ دین ہم کو بغیر ہماری کسی قربانی کے حاصل ہوگیا، دین کیلئے کوئی مشقت ہمارے دامن کا حصہ نہ بن سکی ہم جو مسلمان گھرانوں میں پیدا ہونے والے اور خود کو مسلمان کہنے والے ہیں، ہمیں چاھئے کہ ماضی کے دریچوں کو کھولیں اور پچھلوں خصوصاً قرن اول والوں کی قربانیوں کو دیکھیں پڑھیں سمجھیں پھر کہیں جا کر ہمیں دین کی قدر محسوس ہوگی نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے دین کی اشاعت وترویج میں کس قدر دشواریوں کا مقابلہ کیا وہ ہمارے ادراک سے پرے ہے اپنوں کے طعنہ سنے پڑوسیوں کے ظلم وجبر کو سہا، آبائی وطن شہرِ مکہ کو الوداع کہا پھر بھی دین کی اشاعت میں کمی نہ آنے دی، افراد کو تیار کرتے رہے پھر وہ دن بھی آیا کہ دنیا نے دیکھا کہ آپ کے کارخانۂ تربیت نے ایسے ایسے انمول ہیرے تراشے صحابہ کرام کی ایسی جماعت تیار کی کہ دنیا حیران وششدر رہ گئی ایمانی وروحانی قوت اور جسمانی ریاض ایسا کہ کوئی بھی تکلیف ودشواری انکی راہ کی رکاوٹ نہ بن سکی، زمینوں کو گھوڑوں کی سموں تلے روندا پہاڑوں کو سر کیا، دین اسلام کا جھنڈا چونسٹھ لاکھ مربع میل تک لہرا دیا، نہ تو سورج کی

تپش مانع رہی اور نہ ہی رات کی تاریکی، جنگلوں اور صحراؤں کو عبور کیا زندگی کا اکثر حصہ اونٹوں اور گھوڑوں کے کجاووں وزینوں پہ گزار دیا دین کی ایسی خدمت کی اور اسے اپنی زندگیوں میں ایسے داخل کیا ایسے داخل کیا کہ فانی دنیا میں دائمی دنیا کو سر کرلیا رضی اللہ عنھم ورضوعنہ کا پروانہ انکے گوش گزار کردیا گیا انہوں نے نبی کے ایک ایک عمل کو اپنی زندگی میں ایسے شامل کیا کہ نبی کا عکس نظر آنے لگے ۔

ہر چیز میں عکس رخ زیبا نظر آیا
عالم مجھے سب جلوہ ہی جلوہ نظر آیا

(خواجہ مجذوب)

صحابہ کرام کی جماعت وہ مقدس جماعت ہے، جو نہ صرف یہ کہ نبی پہ ایمان لائی؛ بلکہ قرآن کو نازل ہوتے ہوئے دیکھا، رسول اللہ کی زندگی کے تمام پہلوؤں کا عملی طور پہ مشاہدہ کیا، آپ کی ذات سے دین کو سیکھا اور اسکو پھیلایا، اللہ رب العزت نے نبی کی رفاقت اور مصاحبت کیلئے ان کو چنا؛ اسی لئے کہا جاتا ہے کہ نبی پاک کی مبارک اور پاکیزہ زندگی کو سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کیلئے اگر کسی کی زندگی معیار ہے تو وہ صحابہ کرام کی مقدس و مبارک جماعت ہے؛ اسلئے کہ یہی وہ مبارک جماعت ہے جس نے براہ راست مشکوۃِ نبوت سے روشنی سمیٹی اور اپنی زندگی کو منور کیا افسوس! آج ایک بار پھر کچھ کم علم اور کم عمل معیار حق کی رداء کو تار تار کرنا چاہتے ہیں، صحابہ کرام کی عظمت وعصمت سے کھلواڑ کر اپنا وجود تلاشنے کی فکر میں سرگرداں ہیں، جبکہ قرن اول سے ہی اہل سنت والجماعت کا اجماعی عقیدہ ہے کہ حضرات صحابہ کرام کی پاکیزہ اور مبارک جماعت خصائل عظیمہ اور اخلاق حمیدہ نیز شریعت کے تمام دلائل ومسائل میں علماً اور عملاً نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے کمالات نبوت کے آئینہ دار ھیں تمام کے تمام عادل ومعتبر ھیں انکا اجماع امت مسلمہ کیلئے حجت اور انکی اتباع امت مسلمہ کو ضلالت وگمراہی سے بچانے والی ہے، انسان کسی نہ کسی کو آئیڈیل اور محور ومرکز بنا کر زندگی گزارتا ہے اللہ اور اسکے رسول کو محور ومرکز نیز انکے خادمین صحابہ کرام کو آئیڈیل اور نمونہ بنا کر زندگی گزارنے والے زندہ دل لوگ ہوتے ہیں۔

یاد رہے! ہماری عزت وحرمت کا دارو مدار اسلام پر ہے،ہمیں اسی محور پہ زندگی گزارنی چاھئے جیسا کہ حضرت عمر نے فرمایا "**نحن قوم اعزنا اللہ بالاسلام**" جس قدر ہم اسلام سے وابستہ ہونگے اسی قدر ہم باعزت ہونگے ،دنیا وآخرت کی کامیابی ہمارا مقدر ہوگی اللہ تعالی ہم سب کو نبی کی تعلیمات پر عمل پیرا ہونے اور آپ کے تراشیدہ افراد کو معیار حق سمجھنے کی توفیق مرحمت فرمائے ، ماہ ربیع الاول جہاں ہمیں ایک طرف خوشیوں کی سوغات دیتا ہے وہیں دوسری طرف غموں کے کوہ گراں سے بھی آشنائی دیتا ہے،ہمیں چاھئے کہ ہم نبی رحمت کی پیدائش سے شوق عمل پیدا کریں اور وفات وجدائی سے خوف عمل اور شوق وخوف کے اس مہینہ میں خالق کائنات کو سامنے رکھتے ہوئے خود سے یہ عہد کریں کہ ؎

گزار دوں گا جو باقی زندگی اے دوست
تیرے خیال میں تیری حسین یادوں میں

اللہ تعالی ہم سب کو اپنی مرضیات سے نوازیں اور نامرضیات سے بچائیں آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وسلم تسلیما۔

❍❖❍

زیارتِ روضۂ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

(مسئلہ شدِ رحال)

مولانا انس احمد قاسمی

یارب صل وسلم دائما ابدا ۞ علیٰ حبیبک خیر الخلق کلھم

یہ بات مسلّم ہے کہ مکان کی عظمت و تقدس کا دارومدار صاحبِ مکان پر ہوتا ہے، مسجد اس لیے معزز اور قابل احترام ہے کہ وہ خانہ خدا ہے اور مئے خانہ اس لیے برا ہے کہ وہ برائیوں کا مرکز ہے۔ مدینہ منورہ کی حیثیت ہجرت گاہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بننے سے پہلے ایک زراعتی شہر سے زیادہ کچھ نہیں تھی اور ہجرت گاہِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بننے کے بعد اس کی عظمت وتقدس میں چار چاند لگ گئے۔ پہلے "یثرب" کہا جاتا تھا لیکن جب اسے قیام گاہِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طور پر انتخاب کیا گیا تو اس کا نام "مدینہ" پڑ گیا۔ اور نبی کی نورانیت سے "منورہ" بن گیا، پھر آپ کی توجہات اور برکات سے مختلف فضیلتیں امت کے سامنے آئیں۔ مدینہ کے ساتھ "الرسول، الطیبہ، دارالہجرۃ اور حرم رسول اللہ" وغیرہ کہا جانے لگا۔ صاحب وفاء الوفاء نے مدینہ منورہ کے (۹۶) نام شمار کئے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ ناموں کی کثرت عزت وعظمت کو لازم ہے۔ ہر صاحب ایمان کی سب سے بڑی خواہش اور تمنا یہ ہوتی ہے کہ مدینہ منورہ؛ خصوصاً روضۂ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت کرے تو سوال یہ ہے کہ سفرِ مدینہ کرنے والے کو روضۂ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت کی نیت کرنی چاہیے یا مسجد نبوی کی؟

زیارتِ روضۂ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اکابرِ امت کی نظر میں

اس سلسلہ میں چاروں فقہی مذاہب اور جمہور علماء اہل سنت والجماعت کا اجماع ہے کہ سرورِ کونین، رحمۃ

للعامین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے روضۂ اطہر کی زیارت کی نیت سے سفرِ مدینہ نہ صرف جائز ہے، بلکہ افضل ترین عبادت اوراہم نیکیوں میں سے ہے، مسجد نبوی اور مدینہ طیبہ کی ساری فضیلت روضۂ نبوی ہی کی وجہ سے ہے۔اسلئے جمہور ائمہ کے نزدیک مستحب ہے، بعض مالکیہ کے نزدیک واجب ہے اورحنفیہ کے یہاں سنت قریب بہ واجب ہے، کیونکہ روضۂ اقدس کی زیارت کی فضیلت میں روایات بکثرت وارد ہوئی ہیں، دوسری بات یہ ہے کہ پوری امت کا یہ تعامل رہا ہے کہ تقریبا حجاج مکہ مکرمہ کے ایک لاکھ نمازوں کا ثواب چھوڑ کر چار سو میل طویل سفر کر کے صرف مسجد نبوی کی زیارت ہی کے لیے نہیں جاتے ؛ بلکہ ان کا مقصود روضۂ اقدس پر حاضری ہوتی ہے اورتعامل خود ایک مستقل دلیل ہے، اور یہ صرف حنفیہ کا مسلک نہیں، بلکہ بقیہ تینوں مکاتب فکر کی کتابوں میں اس کا جواز مذکور ہے۔

❁ چنانچہ علمائے حنفیہ میں سے علامہ ابن عابدین شامیؒ (متوفیٰ: ۱۲۵۲ھ) تحریر فرماتے ہیں:

"وزيارة قبر النبي - صلى الله عليه وسلم - مندوبة بل قيل: واجبة لمن له سعة" (ردالمحتار ۲/ ۱۲۶)

"یعنی قبر اطہر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت مستحب ہے بلکہ کہا گیا: صاحب استطاعت پر واجب ہے۔"

❁ اورعلمائے مالکیہ میں سے قاضی عیاض مالکیؒ (متوفیٰ: ۵۴۴ھ) لکھتے ہیں:

"زيارة قبره عليه السلام سنة من سنن المسلمين مجمع عليها أي مجتمع على كونها سنة و فضيلة مرغب فيها"

"یعنی قبر اطہر کی زیارت مسلمانوں کی متفق علیہ سنت ہے اور اس کی ایسی فضیلت ہے جس کی رغبت ہر مسلمان کو کرنی چاہیے" (الشفا بتعریف حقوق المصطفیٰ: ۲/ ۱۹۴)

❁ اورعلمائے شافعیہ میں سے علامہ ابن حجر عسقلانیؒ (متوفیٰ: ۸۵۲ھ) لکھتے ہیں:

"انما من افضل الاعمال و اجل القربات الموصلة الى ذى الجلال و ان مشروعيتها محل اجماع بلانزاع و الله الهادى الى الصواب" (فتح الباری: ۳/ ۶۶)

"یعنی قبر اطہر کی زیارت افضل اعمال میں سے ہے، رب ذوالجلال تک پہنچانے والی نیکیوں میں سے بڑی نیکی ہے اور اسکی مشروعیت میں کسی کا اختلاف نہیں ہے۔ اللہ ہی درستگی کی طرف رہنمائی کرنے والا ہے۔

❁ اور علمائے حنابلہ میں سے علامہ ابن قدامہ حنبلیؒ (متوفیٰ: ۶۲۰ھ) لکھتے ہیں:

"يستحب زيارة قبر النبي -صلى الله عليه وسلم- لما روى الدارقطني بإسناده عن ابن عمر: قال: قال رسول الله -صلى الله عليه وسلم: من حج فزار قبري بعد وفاتي فكأنما زارني في حياتي" (المغنی ۳/۵۸۸)

" حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روضۂ اقدس کی زیارت مستحب ہے، اس لئے کہ حضرت ابن عمر نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کیا ہے، کہ جو شخص حج کرے پھر میری قبر کی زیارت کرے، گویا اس نے میری زندگی میں زیارت کی۔"

❁ اور یہی علماء دیوبند کا مسلک ہے؛ چنانچہ ترجمانِ علمائے دیوبند شیخ المشائخ حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ (متوفیٰ: ۱۳۴۷ھ) فرماتے ہیں:

"عندنا و عند مشائخنا زيارة قبر سيد المرسلين (روحي فداه) من أعظم القربات و أهم المثوبات و أنجح لنيل الدرجات بل قريبة من الواجبات, وإن كان حصوله بشدّ الرحال و بذل المهج و الأموال و ينوى وقت الارتحال زيارة - عليه الف الف تحية و سلام - و ينوى معها زيارة مسجده صلى الله عليه وسلم۔"

"یعنی ہمارے نزدیک اور ہمارے مشائخ کے نزدیک زیارت قبر سید المرسلین (ہماری جان آپ پر قربان) اعلیٰ درجہ کی قربت اور نہایت ثواب اور سبب حصول درجات ہے؛ بلکہ واجب کے قریب ہے، گو شدِّ رحال اور بذل جان و مال سے نصیب ہو اور سفر کے وقت آپ کی زیارت کی نیت کرے اور ساتھ میں مسجد نبوی وغیرہ کی نیت کرے۔" (المہند علی المفند: ۲۷)

البتہ پوری امت مسلمہ میں صرف علامہ ابن تیمیہؒ (متوفیٰ :۷۲۸ھ)اور ان کے بعض شاگردوں کی رائے ہے کہ قبر اطہر کی زیارت کے لیے سفر کرنا ناجائز ہے۔وہ فرماتے ہیں: کہ مسجد نبوی میں نماز ادا کرنے کی نیت سے سفر کرے پھر روضۂ اقدس کی زیارت کرے، مستقل طور سے روضۂ اقدس کی نیت سے سفر نہ کرے۔جیسا کہ علامہ عبدالحی لکھنویؒ نے "ابراز الغی الواقع فی شفاء العی" جہاں تک نفسِ زیارت کا معاملہ ہے تو ابن تیمیہؒ تک علماءِ امت اور ائمہ کرام میں سے کسی نے بھی عدمِ جواز کا فتوی نہیں دیا؛ بلکہ سب نے بالاتفاق اس افضل ترین عبادت اور بلند ترین اطاعتوں میں شمار کیا۔اور سب سے پہلے جس نے اجماع کو توڑا اور ایسی چیز لے آئے کہ اس سے پہلے کسی عالمِ دین نے ایسی بات نہیں کی ،صرف اور صرف ابن تیمیہؒ ہے۔(رفع المنارۃ لتخریج احادیث التوسل والزیارۃ:۹۲) جمہور کے مسلک کی تائید میں بہت سی روایات ثابت ہیں۔چند دلائل ملاحظہ فرمائیں؛

جمہور علماء کے دلائل

قرآن کریم

"ولو أنهم اذ ظلموا انفسهم جآءوک فاستغفر الله واستغفر لهم الرسول لوجدوا الله توابا رحيما" (النساء:٦٤)

ترجمہ: اگر لوگ اپنی جانوں پر ظلم کرلیں تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئیں پھر وہ اللہ سے معافی مانگیں اور رسول اللہ ان کے لیے شفارش کردیں تو وہ اللہ کو توبہ قبول کرنے والا اور رحم فرمانے والا پائیں گے۔

یہ آیت واضح ہے کہ بارگاہِ نبوی کی حاضری ہر مسلمان کے لیے عظیم نعمت وفضیلت کا درجہ رکھتی ہے خواہ وہ قریب کا رہنے والا ہو یا دور کا۔اور اس بات میں کوئی شک نہیں کہ آپ علیہ السلام اپنی قبر با حیات ہیں اور آپ کی امت کے اعمال آپ کے سامنے پیش کئے جاتے ہیں۔(الصلات والبشر فی الصلاۃ علی خیر البشر:۱۴۵)

احادیث نبویہ

(۱) حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے:

"**من زار قبری وجبت له شفاعتی** (سنن الدارقطنی: ۳۴۴/۳، شعب الایمان :۸/ ۶۹،سنن ابن ماجۃ:۱۰۳۹/۲)

"جس نے میری قبر کی زیارت کی اس کے لیے میری شفاعت واجب ہوگئی۔"

جہاں تک اس حدیث کی صحت کا تعلق ہے تو حافظ ابن سکن ،حافظ عبدالحق اور امام تقی الدین سبکیؒ (متوفیٰ : ۷۴۶ھ) نے اس کو" حسن صحیح " کہا ہے(نیل الاطار: ۳۲۵/۴) اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ روضۂ اقدس کی زیارت کرنے والے کو نبی علیہ السلام کی خصوصی شفاعت حاصل ہوگی جو عام لوگوں کو نہیں ہوگی۔

چنانچہ شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ فرماتے ہیں: اس خصوصیت کی کوئی خاص وجہ ہے، کیونکہ جہاں تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کا تعلق ہے اس نعمت سے ہر مسلمان کو نوازا جائے گا، اور آپ کی یہ کرم فرمائی اور مومن نوازی جملہ مسلمانوں کے لیے عام ہے، لیکن یہاں پر شفاعت سے مراد خاص شفاعت ہے جو درجہ خاص کے حصول کا ذریعہ ہوگی، ان کے علاوہ غیر زائرین کا اپنے زیادتی اعمال اور کثرتِ فضائل کے باوجود اس درجہ پر پہنچنا میسر نہ ہوگا۔ (جذب القلوب الی دیار المحبوب: ۲۰۳)

نیز علامہ زرقانیؒ (متوفیٰ: ۱۱۲۲ھ) "شفاعت" کی تصریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں: یہ نوید شفاعت زائرین کے لیے مخصوص ہوگی۔ جس کا مصداق زائرین کے سوا کوئی بھی نہیں ہوگا۔ شفاعت خواہ نعمتو ں کے اضافہ کے لیے ہو یا قیامت کے دن کی ہولنا کی میں تخفیف کی ہو، جنت میں بلاحساب دخول کے لیے ہو یا بلندی درجات کی ہو یا حق تعالیٰ کی دیدار کے لیے ہو۔ (المواھب اللدنیۃ: ۳۴۰/۸)

(۲) حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

من زار قبري حلت له شفاعتی . "(کشف الاستار: ۵۷/۲)"جس نے میری قبر کی زیارت کی اس کے لیے میری شفاعت حلال ہوگئی۔"

(۳) حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"من جاءنی زائرا لایعمله حاجة الا زیارتی کان حقا علی أن أکون له شفیعا یوم القیامة (المعجم الاوسط ۵/۱۶)

جو خالص میری زیارت کو آئے اور اسے سوائے اس کام کے دوسری کوئی حاجت نہ ہو مجھ پر حق ہے کہ میں اس کا قیامت کے دن شفیع بنوں۔ بعض روایت میں لا یهمه، لا تحمله کے الفاظ بھی آئیں ہیں، سعید ابن السکنؒ نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا۔" (شرح الاحیاء للعراقی:۴/۴۱۶)

(۴) حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"من حج البیت و لم یزرنی فقد جفانی" (وفاء الوفاء:۲/۳۹۸)

جس کسی نے حج کیا اور میری زیارت نہ کی بیشک اس نے مجھ پر ظلم کیا۔

امام سبکیؒ (متوفیٰ:۷۴۶ھ) نے اس روایت کی سند پر کلام کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اس روایت کی سند میں النعمان بن شبل ہیں؛ ان کو عمران بن موسیٰ نے ثقہ قرار دیا ہے اور موسی ابن ہارون نے ان کو متہم قرار دیا ہے لیکن چونکہ یہ جرح مجمل ہے لہذا اس پر توثیق کو ترجیح دی جائے گی (شفاء السقام الی زیارۃ خیر الانام:۱۲۸)

(۵) حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"من حج فزار قبري بعد موتي کان کمن زارني في حیاتي" (شعب الایمان:۶/۴۸، المعجم الکبیر ۱۲/۴۰۶)

جس کسی نے حج کیا پس میری زیارت کی میری وفات کے بعد گویا اس نے میری زندگانی میں زیارت کی۔

(۶) حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

"من زارني بالمدینة محتسبا کنت له شهیدا و شفیعا یوم القیامة" (شعب الایمان ۶/۵۰)

جس نے ثواب کی نیت سے مدینہ میں میری زیارت کی میں قیامت کے دن اس کا گواہ اور شفارشی ہوں۔

(۷) حضرت حاطبؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا :

”من زارنی بعد موتی فکانما زارنی فی حیاتی “(الدار قطنی:۲۷۸/۲،شعب الایمان:۴۸۸/۳)

جس نے میری زیارت کی میری وفات کے بعد گویا اس نے میری زندگانی میں زیارت کی۔

(۸) حضرت عمر بن خطابؓ سے روایت ہے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا:

”من زار قبری او قال من زارنی کنت له شفیعا او شهیدا۔ “(مسند ابوداؤد طیالسی:۶۶/۱،شعب الایمان ۴۸/۶)”

جس نے میری قبر کی زیارت کی یا فرمایا: میری زیارت کی میں اس کا شفیع بن یا فرمایا: میں اس کا گواہ بنوں گا۔

(۹) حضرت عمر بن خطابؓ سے روایت ہے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا:

”من زارنی متعمدا کان فی جواری یوم القیامة “(شعب الایمان ۴۷/۶)”جو قصد وارادہ سے میری زیارت کرے گا وہ قیامت میں میری پناہ میں ہوگا۔“

امام سبکیؒ (متوفیٰ: ۷۴۶ھ ۳) فرماتے ہیں: یہ اعلی درجہ کی مرسل روایت ہے۔اس روایت کی سند میں ہارون کو ازدی نے نا قابل حجت قرار دیا ہے۔لیکن ابن حبان نے ان کو ثقات میں شمار کیا ہے۔اور ابن حبان کا مرتبہ ازدی سے بلند ہے۔(شفاء السقام الی زیارۃ خیر الانام:۱۳۶)

(۱۰) حضرت بکر بن عبداللہؓ سے روایت ہے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نقل کرتے ہیں:

”من اتی المدینة زائرا لی وجبت له شفاعتی یوم القیامة ومن مات فی احدالحرمین بعث آمنا۔“(وفاء الوفاء:۴۰۳/۲)”جو مدینہ میں میری زیارت کے لئے آیا میری شفاعت قیامت کے دن اس کے لئے واجب ہوگئی اور جو شخص دونوں حرموں میں سے کسی ایک حرم میں مرا قیامت میں امن کی حالت میں اٹھایا جائے گا۔“

علامہ ابن تیمیہؒ کا استدلال

۱ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

” لا تشد الرحال إلا إلی ثلاثة مساجد :المسجدالحرام ومسجد الرسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ومسجد

الأقصى "(صحيح البخاري:۱/۴۴۷)"تین مسجدوں کے سوا سفر نہ کیا جائے؛ مسجد حرام، بیت المقدس اور مسجد نبوی ﷺ

۲ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"لا تعمل المطی الا الٰی ثلاثۃ مساجد: المسجد الحرام، مسجدی، و مسجد بیت المقدس

"(نسائی: ۳/۱۱۳)"تین مساجد کے سوا سفر نہ کیا جائے؛ مسجد حرام، میری مسجد اور مسجد بیت المقدس"

۳ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"لا تشد الرحال إلا إلی ثلاثۃ مساجد: مسجد الخیف، مسجد الحرام و مسجدی ھذا۔ "(المعجم الاوسط:۵/۲۱۲)"تین مسجدوں یعنی مسجد حرام، مسجد خیف اور میری اس مسجد کے سوا رختِ سفر نہ باندھا جائے۔"ان احادیث کو ظاہر پر محمول کرتے ہوئے روضۂ رسول ﷺ کی زیارت کی نیت سے سفر مدینہ کو ناجائز کہا ہے۔

لا تشد الرحال کا صحیح مفہوم

جبکہ اکابر علمائے ربانیین اور محدثین ومفسرین نے مذکورہ استدلال کو غلط قرار دیتے ہوئے نہایت شرح وبسط کے ساتھ اس حدیث کا صحیح مطلب بیان فرمایا ہے۔جس کا مختصر خلاصہ یہ ہے:

رسول اللہ ﷺ کے فرمان کا مطلب یہ ہے کہ تین مساجد کے علاوہ کسی اور مسجد کے لیے ثواب کی زیادتی کی غرض سے سفر نہ کیا جائے۔یعنی ان تین مساجد کے علاوہ اور کسی مسجد کے لیے سفر کی ممانعت مقصود ہے؛ کیونکہ یہ تین مساجد شرف وعظمت کے اعتبار سے امتیازی شان کی حامل ہیں۔جبکہ دوسری تمام مساجد برابر درجہ رکھتی ہیں ان میں کوئی امتیازی وجہ نہیں پائی جاتی۔

رہا حدیث"**لا تشد الرحال**"سے استدلال تو اس جواب یہ ہے کہ:اس حدیث میں قبر اطہر کی زیارت کی ممانعت کا کہیں ذکر نہیں ہے۔ بلکہ صاحبِ فہم اگر غور کرے تو یہی حدیث بدلالۃ النص جواز پر دلالت کرتی ہے ؛ کیونکہ جو سبب تین مساجد کو دیگر مساجد اور مقامات سے مستثنیٰ قرار دی گئی ہے۔وہاں مساجد کی فضیلت ہی تو ہے

اور بقعہ شریفہ تو بے انتہاء فضیلت کا حامل ہے؛اس لیے وہ زمین جو سید الکونین ،رحمتِ دارین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اعضاء مبارکہ کو مس کئے ہوئے ہے۔وہ پورے زمین سے افضل ترین حصہ ہے ۔یہاں تک کہ کعبۃ اللہ ،عرش عظیم اور کرسی سے بھی افضل ہے،جس کی فقہاء نے صراحت کی ہے۔اور جب کعبۃ اللہ کی فضیت کی وجہ سے مستثنیٰ قرار دیے دی گئیں تو بقعہ شریفہ فضیلت عامہ کی وجہ سے مستثنیٰ ہو(المہند علی المفند :۲۸ ترمیم کے ساتھ)

دوسری بات : اس حدیث کا صحیح مطلب اسی وقت متعین ہوگا جب ہم اس میں مذکور نحوی استثناء کو متعین کریں اور علماء نے اس کے متعلق دو احتمالات ذکر فرمائیں ہیں: (۱) ایک یہ کہ استثناء مطلق یعنی عمومیت پر مبنی ہو ۔جس سے ہر قسم کا سفر نا جائز ہوگا اور یہ بات خلاف عقل وخلاف شرع ہے۔(۲) دوسرا احتمال یہ ہے کہ استثناء مقید ہو یعنی محض مساجد کے ساتھ مختص ہو،جس کا مطلب یہ ہے کہ نماز کا زیادہ ثواب حاصل کرنے کی نیت سے سوائے ان تین مساجد کے کسی اور مسجد کی طرف سفر نہ کیا جائے اور یہی قول صحیح ہے۔

چنانچہ شارح مسلم امام نوویؒ (متوفیٰ :۶۷۶ھ)اس حدیث کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"وفی هذا الحديث فضيلة هذه المساجد الثلاثة وفضيلة شدالرحال اليها ،لان معناه عندجمهور العلماء لافضيلة فی شد الرحال الی مسجد غيرها۔ "(شرح صحیح مسلم:۹/۱۲۸) یعنی اس حدیث میں ان تین مساجد کی فضیلت اور ان کی طرف سفر کی فضیلت کا بیان ہے؛اسی لیے جمہور ائمہ کے نزدیک ان تین مساجد کے علاوہ دوسری مساجد کی طرف رختِ سفر باندھنے کی کوئی فضیلت نہیں۔

نیز حافظ ابن حجر عسقلانیؒ (متوفیٰ :۸۵۲ھ) "فتح الباری شرح صحیح البخاری" میں اس حدیث پر تفصیلی کلام کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"وهی من ابشع المسائل المنقولة عن ابن تيمية " کہ ابن تیمیہؒ کا یہ قول تمام ہی مسائل میں سب سے نامناسب مسئلہ ہے۔آگے فرماتے ہیں:

"أن المراد حکم المساجد فقط و انه لا تشد الرحال الی مسجد من المساجد للصلوۃ فیه غیر هذه الثلاثة ۔و اما قصدغیر المساجد لزیارة صالح اوقریب اوصاحب اوطلب علم اوتجارة اونزهةفلایدخل فی النهی ۔" (فتح الباری:۳/۶۵)

یعنی" **لا تشد الرحال** " یہاں فقط مساجد مراد ہیں اور اس کا مطلب یہ ہے کہ نماز کے لیے ان تین مساجد کے علاوہ کسی اور مسجد کی طرف رختِ سفر نہ باندھا جائے اور جہاں تک کسی نیک آدمی ،رشتہ دار یا دوست کی زیارت کا تعلق ہے یا حصولِ علم ،تجارت اور تفریح کے لیے سفر کرنا حکم نہی میں داخل نہیں ۔اس بات کی تائید مسند احمد کی صریح روایت سے ہوتی ہے کہ شہر بن حوشب کہتے ہیں: میں نے حضرت ابوسعید خدری ؓ کے سامنے کوہِ طور پر نماز پڑھنے کا ذکر کیا تو انہوں نے بیان کیا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

" لاینبغی للمصلی ان یشد رحاله الی مسجد تبتغی فیه الصلوۃ غیر المسجد الحرام و المسجد الاقصٰی و مسجدی " (مسند احمد:۱۸/۱۵۲)

"کسی نمازی کو زیادہ ثواب کی نیت سے کسی مسجد میں نماز پڑھنے کے لیے سفر نہ کرے سوائے مسجد حرام ،مسجد اقصی اور مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم"

اس روایت سے یہ بات بالکل واضح ہوجاتی ہے کہ ان تین مساجد کے علاوہ اور کسی مسجد کے لیے سفر کی ممانعت مقصود ہے؛ نہ کہ مطلقاً سفر کی ممانعت مقصود ہے ۔ صاحبِ اعلاء السنن ان حضرات پر افسوس کا اظہار کرتے ہوئے جو عدم جواز کے قائل ہیں؛ رقمطراز ہیں:

"رحم الله طائفة قد اغمضت عیونها عن کل ذلک و انکرت مشروعیة زیارة قبر هذا النبی الکریم و حرمت عن مثل هذا الفضل العظیم و زعمت ان لاینوی الزائر الا مسجد النبی فقط و لم تدر فضیلة المسجد انما هی لاجل برکة النبی فجواز نیة المسجد یستدعی جواز نیة زیارته ۔" (اعلاء السنن:۱۰/۴۹۷)

"یعنی اللہ اس گروہ پر رحم فرمائے ،جس نے ان تمام (روضۂ اطہر کی زیارت میں واردشدہ) احادیث سے چشم پوشی کی ،اوراس کی زیارت کی مشروعیت ہی سے انکار کر بیٹھے،اوراس عظیم فضیلت ومنفعت سے ہاتھ دھو بیٹھے ،اورسوچ رکھا کہ زائرصرف اورصرف مسجد نبوی علی صاحبہ الصلوۃ والسلام کی زیارت کی نیت کرے،اوروہ اس بات سے بےخبر رہا کہ مذکورہ مسجد نبوی کو جوشرف اورفضیلت حاصل ہے، وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کی وجہ سے تو ہے ،لہذا مسجد نبوی کی زیارت کے لئے نیتِ سفر کرنے کا جواز اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ روضۂ مبارک کی زیارت کی غرض سے سفر کرنا اوراس کی نیت کرنا جائز ہو۔"

خلاصہ یہ کہ روضۂ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت کے فضائل مختلف احادیث سے ثابت ہیں،جن میں سے بعض روایات حسن درجہ کی ہیں اوربعض روایات اگرچہ سند کے اعتبار سے ضعیف ہیں ۔لیکن کثرتِ طرق کی وجہ سے ایک دوسرے کی تائید کرنے سے صحیح یا کم ازکم حسن درجہ حاصل کرلیتی ہیں؛ لہٰذا جوحضرات مدینہ منورہ کا سفر کرتے ہیں وہ مستقل طور پر روضۂ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت کی نیت کے ساتھ مسجد نبوی کی بھی نیت کرکے جائیں؛ تاکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خصوصی شفاعت حاصل ہواورزیادہ ثواب ملے۔اللہ تعالیٰ ہرصاحبِ ایمان کوروضۂ اقدس کی زیارت کی سعادت سے بار بارسرفراز فرمائے۔آمین

یارب صل وسلم دائما ابدا ۞ علیٰ حبیبک خیر الخلق کلھم

○❖○

صبر کی توفیق سب سے بہتر اور وسیع تر عطیہ

مولانا ڈاکٹر محمد نجیب قاسمی سنبھلی

صبر انسان میں ایک ایسی داخلی قدرت کا نام ہے جو ایمانی قوت سے پیدا ہوتی ہے، جس کے ذریعہ اپنی خواہشات پر قابو پانے اور اللہ تعالیٰ کے فیصلوں پر قناعت کرنے کا ملکہ حاصل ہوتا ہے۔ صبر کا مطلب یہ نہیں ہے کہ انسان کسی تکلیف یا صدمہ پر روئے بھی نہیں۔ کسی تکلیف یا صدمہ پر رنج وافسوس کرنا انسان کی فطرت میں داخل ہے، اسی لئے شریعت اسلامیہ نے کسی تکلیف یا مصیبت کے وقت رونے پر کوئی پابندی نہیں لگائی کیونکہ جو رونا بے اختیار آجائے وہ بے صبری میں داخل نہیں۔ البتہ صبر کا مطلب یہ ہے کہ کسی تکلیف یا صدمہ یا حادثہ پر اللہ تعالیٰ سے کوئی شکوہ نہ کیا جائے بلکہ اللہ تعالیٰ کے فیصلہ پر رضامندی کا اظہار کرکے اس کو تسلیم کیا جائے۔ ویسے تو ہر شخص اپنی زندگی میں بے شمار مرتبہ صبر کرتا ہے مگر اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لانے کی صورت میں ہی صبر کرنا عبادت بنے گا، ورنہ مجبوری۔

جلیل القدر نبی حضرت ایوب علیہ السلام کا مصیبتوں اور تکلیفوں پر صبر کرنا صبر ایوبی کے نام سے مشہور ہے۔ آپ کی اولاد کے انتقال کے علاوہ آپ کا تمام مال بھی ختم ہوگیا تھا، نیز متعدد بیماریاں آپ کو لگ گئی تھیں، جن کی وجہ سے لوگوں نے آپ کو الگ تھلگ کردیا تھا مگر حضرت ایوب علیہ السلام کی بیوی نے آپ کی بے مثال خدمت کی۔ جب بیوی کو بھی آپ کی وجہ سے بہت زیادہ تکالیف کا سامنا کرنا پڑا تو حضرت ایوب علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے اپنی تکلیفوں کی دوری کے لئے دعا فرمائی، چنانچہ آپ کو مکمل صحت عطا کردی گئی۔

صبر کی متعدد اقسام ہیں۔

۱) اللہ تعالیٰ نے جن اعمال کے کرنے کا حکم دیا ہے ان کو بجالانا خواہ بظاہر مزاج کے خلاف ہو۔ مثلاً گرم بستر چھوڑ کر نماز فجر کی ادائیگی کرنا۔ مال کی محبت اور اُس کی ضرورت کے باوجود زکوٰۃ کے فرض ہونے پر زکوٰۃ کی ادائیگی کرنا۔ ۲) اللہ تعالیٰ نے جن چیزوں کو حرام قرار دیا ہے اُن سے بچنا خواہ نفس کی خواہش ہو۔ مثلاً شراب پینے اور رشوت لینے سے بچنا۔ ۳) اللہ تعالیٰ کے فیصلوں پر صبر کرنا، یعنی جو بھی حالات آئیں اُن پر صبر کر کے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنا۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے پاک کلام ''قرآن کریم'' میں جگہ جگہ صبر کرنے کی تعلیم دی ہے۔ چند آیات پیش ہیں: اے ایمان والو! صبر اور نماز سے مدد حاصل کرو۔ بیشک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔ اور جو لوگ اللہ کے راستہ میں قتل ہوں اُن کو مردہ نہ کہو۔ دراصل وہ زندہ ہیں۔ مگر تم کو (اُن کی زندگی کا) احساس نہیں ہوتا۔ اور دیکھو ہم تمہیں آزمائیں گے ضرور، (کبھی) خوف سے، اور (کبھی) بھوک سے، اور (کبھی) مال وجان اور پھلوں میں کمی کر کے۔ اور جو لوگ (ایسے حالات میں) صبر سے کام لیں اُن کو خوشخبری سنا دو۔ (سورۃ البقرہ ۱۵۳۔ ۱۵۵) اسی طرح فرمان الٰہی ہے: اے ایمان والو! صبر کرو اور دشمن کے مقابلہ میں ڈٹے رہو۔ (سورۃ آل عمران ۲۰۰) صبر کرنے والوں کو بے حساب اجر وثواب عطا کیا جائے گا جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: جو لوگ صبر سے کام لیتے ہیں اُن کا ثواب انہیں بے حساب دیا جائے گا۔ (سورۃ الزمر ۱۰) حالات پر صبر کرنے کو اللہ تعالیٰ نے ہمت والا کام قرار دیا چنانچہ فرمان الٰہی ہے: جو شخص صبر سے کام لے اور درگزر کر جائے تو یہ ہمت کے کاموں میں سے ہے۔ سورۃ العصر میں خالق کائنات نے انسان کی کامیابی کے لئے صبر اور صبر کی تلقین کو لازم قرار دیا۔

قیامت تک آنے والے انس وجن کے آخری نبی حضرت محمد ﷺ نے بھی اپنے قول وعمل سے صبر کرنے کی ترغیب دی۔ چنانچہ نبی بنائے جانے سے لے کر وفات تک آپ ﷺ کو بے شمار تکلیفیں دی گئیں۔ آپ ﷺ کے اوپر اونٹنی کی اوجھڑی ڈالی گئی۔ آپ ﷺ کے اوپر گھر کا کوڑا ڈالا گیا۔ آپ ﷺ کو کاہن

،جادوگر اور مجنوں کہہ کر مذاق اڑایا گیا۔آپ ﷺ کی بیٹیوں کو طلاق دی گئی۔آپ ﷺ کا تین سال تک بائیکاٹ کیا گیا۔آپ ﷺ پر پتھر برسائے گئے۔آپ ﷺ کو اپنا شہر چھوڑنا پڑا۔آپ ﷺ غزوۂ احد کے موقع پر زخمی کئے گئے۔آپ ﷺ کو زہر دے کر مارنے کی کوشش کی گئی۔آپ ﷺ نے کبھی ایک دن میں دونوں وقت پیٹ بھر کر کھانا نہیں کھایا۔آپ ﷺ نے بھوک کی شدت کی وجہ سے اپنے پیٹ پر دو پتھر باندھے۔آپ ﷺ کے گھر میں دو دو مہینے تک چولھا نہیں جلا۔آپ ﷺ کے اوپر پتھر کی چٹان گرا کر مارنے کی کوشش کی گئی۔حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے سوا آپ ﷺ کی ساری اولاد کی آپ ﷺ کے سامنے وفات ہوئی۔غرضیکہ سید الانبیاء وسید البشر کو مختلف طریقوں سے ستایا گیا،مگر آپ ﷺ نے کبھی صبر کا دامن نہیں چھوڑا،آپ ﷺ رسالت کی اہم ذمہ داری کو استقامت کے ساتھ بحسن خوبی انجام دیتے رہے۔ہمیں آپ ﷺ کی زندگی سے یہ سبق لینا چاہئے کہ گھریلو یا ملکی یا عالمی سطح پر جیسے بھی حالات ہمارے اوپر آئیں،ہم ان پر صبر کریں اور اپنے نبی کے نقش قدم پر چلتے ہوئے اللہ سے اپنا تعلق مضبوط کریں۔

حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:مسلمان کو جو بھی تھکاوٹ، بیماری،غم،رنج،دکھ اور تکلیف پہنچتی ہے حتی کہ وہ کانٹا بھی جو اس کو چبھتا ہے،اس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اس کی غلطیاں معاف فرماتے ہیں۔(بخاری ومسلم)

حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو شخص سوال سے بچنے کی کوشش کرتا ہے اللہ اسے بچا لیتے ہیں اور جو بے نیازی طلب کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو بے نیاز کر دیتے ہیں۔جو صبر اختیار کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو صبر عطا کرتے ہیں۔صبر سے زیادہ بہتر اور وسیع تر عطیہ کسی کو نہیں دیا گیا۔(بخاری ومسلم)حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: مؤمن کا سارا معاملہ ہی عجیب ہے کہ اس کے تمام کام اس کے لئے خیر ہیں۔مؤمن کے علاوہ کسی کو یہ چیز (اللہ کی عظیم نعمت) حاصل نہیں۔اگر اس کو خوشحالی میسر آتی ہے تو شکر کرتا ہے تو یہ شکر کرنا اس کے لئے بہتر ہے۔اور اگر اس کو تنگ دستی آجائے تو صبر کرتا ہے تو یہ صبر کرنا اس کے لئے بہتر ہے۔(صحیح مسلم)

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا گزر ایک عورت کے پاس سے ہوا جو قبر پر بیٹھی رو رہی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تو اللہ سے ڈر اور صبر کر۔ اُس نے کہا مجھ سے ہٹ جاؤ۔ تمہیں میری والی مصیبت نہیں پہنچی اور نہ تم اس کو جانتے ہو۔ اس عورت نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نہیں پہچانا تھا۔ جب اس کو بتا گیا کہ وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تھے، تو وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دروازہ پر حاضر ہوئی اور وہاں کسی دربان کو نہ دیکھا تو کہنے لگی۔ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نہیں پہچانا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: بلاشبہ صبر وہی ہے جو تکلیف کے آغاز میں کیا جائے۔ (بخاری و مسلم) یعنی کسی مصیبت یا پریشانی کے آنے پر شروع سے ہی صبر کرنا چاہئے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس سے اللہ تعالیٰ بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے اس کو تکلیف میں مبتلا کر دیا جاتا ہے۔ (بخاری) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تم میں سے کوئی شخص تکلیف میں مبتلا ہونے کی وجہ سے موت کی تمنا نہ کرے۔ اگر اسے کرنا ہی ہو تو یوں کہے: اے اللہ! مجھے زندہ رکھ جب تک زندگی میں میرے لئے خیر ہے اور مجھے موت دے جب موت میں میرے لئے بہتری ہو۔ (بخاری و مسلم)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب اللہ تعالیٰ کسی بندہ کے ساتھ بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے تو اس کو دنیا میں بھی گناہ کی سزا جلد دے دیتا ہے اور جب اللہ تعالیٰ کسی بندہ سے برائی کا ارادہ فرماتا ہے تو گناہ کے باوجود سزا کو روک دیتا ہے تاکہ پوری سزا قیامت کے دن دے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مزید فرمایا: بڑا بدلہ بڑی آزمائش کے ساتھ ہے۔ اللہ تعالیٰ جب کسی قوم کو پسند فرماتا ہے تو ان کو کسی آزمائش میں ڈال دیتا ہے۔ جو اس آزمائش سے راضی ہو اس کے لئے اللہ کی رضامندی ہے اور جو ناراض ہو اس کے لئے اللہ کی ناراضگی ہے۔ (ترمذی) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تم میں بہادر وہ نہیں جو دوسروں کو پچھاڑ دے۔ بہادر وہ ہے جو غصہ کے وقت اپنے نفس پر کنٹرول کرے۔ (بخاری و مسلم) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: مؤمن مرد و عورت کی جان، اولاد اور مال پر آزمائش آتی رہتی ہے یہاں تک کہ وہ اللہ تعالیٰ سے جا ملتا ہے کہ اس پر کوئی گناہ نہیں ہوتا۔ ترمذی

کسی قریبی رشتہ دار کے انتقال پر دل کا غمگین ہونا اور آنکھوں سے آنسوں کا بہنا ایک فطری تقاضہ ہے۔مگر بلند آواز سے مرحوم کے اوصاف بیان کر کے رونے پیٹنے، کپڑوں کے پھاڑنے اور گریہ وزاری کرنے سے ہمارے نبی حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے منع فرمایا ہے۔ہمیں ایسے موقع پر صبر سے کام لینا چاہئے۔حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا: کوئی بندہ بھی اپنی مصیبت میں یہ کہے: "إِنَّا لِلّٰهِ وإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ، اللَّهُمَّ أْجُرْنِي فِي مُصِيْبَتِي، وأَخْلِفْ لِي خَيْراً مِنْهَا" تو اللہ تعالیٰ اسے اس کی مصیبت میں اس کا ثواب عطا کرتا ہے اور اس سے بہتر چیز اسے عطا کرتا ہے۔چنانچہ جب ابوسلمہؓ کا انتقال ہوا تو میں نے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم کے مطابق یہ دعا پڑھی، حالانکہ میں سوچ رہی تھی کہ اُن سے بہتر کون ہوگا؟ اللہ تعالیٰ نے مجھے اُن سے بہتر دولت یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عطا کیا۔(صحیح مسلم) حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا پہلا نکاح حضرت ابوسلمہؓ سے ہوا تھا، جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پھوپھی زاد بھائی تھے۔انہوں نے اپنے شوہر کے ساتھ حبشہ اور پھر مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کی تھی۔آپ کو آپ کے خاندان والوں نے حضرت ابوسلمہؓ کے ساتھ مدینہ منورہ ہجرت کرنے سے روک دیا تھا اور گود کا بچہ بھی چھین لیا تھا۔بعد میں حضرت ام سلمہؓ کی حالت پر ترس کھا کر خاندان والوں نے بچہ کو دے دیا تھا اور مدینہ منورہ ہجرت کرنے کی بھی اجازت دے دی تھی۔آپ پہلی مہاجر خاتون تھیں۔ان کے شوہر حضرت ابوسلمہؓ کی جنگ احد کے زخموں سے وفات ہوگئی تھی۔ چار بچے یتیم چھوڑے۔جب کوئی بظاہر دنیاوی سہارا نہ رہا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بے کس بچوں اور ان کی حالت پر رحم کھا کر ان سے نکاح کرلیا۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ دنیا میں کوئی بھی بشر ایسا نہیں ہے جس کو پریشانیوں، مصیبتوں، تکلیفوں اور دشواریوں کا سامنا نہ کرنا پڑے۔خالق کائنات نے قرآن کریم (سورۃ البلد) میں چار چیزوں کی قسم کھا کر قیامت تک کے لئے اصول وضابطہ بیان فرمادیا کہ دنیا میں انسان کو اس طرح پیدا کیا گیا ہے کہ اُسے زندہ رہنے کے لئے کسی نہ کسی

شکل میں مشقت ضرور اٹھانی پڑتی ہے چاہے وہ کتنا ہی بڑا حاکم یا دولت مند شخص کیوں نہ ہو۔انبیاء،صحابہ،علماء اور صالحین کو بھی دشوار کن مراحل سے گزرنا پڑا ہے۔ ہمارے اوپر جو پریشانیاں اور دشواریاں آتی ہیں وہ یا تو ہمارے اعمال کی سزا ہوتی ہیں یا اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہماری آزمائش ہوتی ہے۔لہٰذا مصیبت یا پریشانی کے وقت گناہوں سے توبہ واستغفار کر کے ہمیں اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنا چاہئے ،اسی میں ہماری کامیابی پوشیدہ ہے۔دشواریوں اور پریشانیوں کے وقت رب العالمین نے ہمیں صبر کرنے اور نماز قائم کرنے کا حکم دیا اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے،یعنی صبر کرنے والوں کو اللہ کی معیت کا شرف حاصل ہوتا ہے۔اِن دِنوں مسلمانوں کے سامنے علاقائی وعالمی سطح پر بے شمار مسائل درپیش ہیں،جن کے حل کے لئے متعدد فارمولے پیش کئے جاسکتے ہیں،لیکن سب سے اہم فارمولا یہ ہے کہ ہم اپنا تعلق خالق کائنات سے مضبوط کریں اور خالق کائنات کے حکم کی روشنی میں حالات پر صبر کر کے نماز کے ذریعہ اللہ تعالیٰ سے مدد چاہیں۔

○❖○

مسلم معاشرے میں سودی لین دین کا بڑھتا رجحان

مولانا محمد معین الدین ندوی قاسمی
استاذ جامعہ نعمانیہ، ویکوٹہ

دین اسلام ربانی مذہب ہے، اس کے تمام احکام منصفانہ اور عادلانہ ہیں، اس کے قوانین میں کسی پر زیادتی روا نہیں ہے، اس کے اوامر پر عمل کرنے اور منہیات سے بچنے پر جنت کی بشارت دی گئی ہے، جبکہ اس کے برعکس جہنم کی دھمکی اور تہدید سنائی گئی ہے۔

بعض ایسے بھی منہیات ہیں جس کے ارتکاب پر دھمکی ہی نہیں بلکہ اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے اعلان جنگ ہے، وہ سودی لین دین ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

یاایھا الذین آمنوا اتقوا اللہ و ذروا مابقی من الربا ان کنتم مؤمنین فان لم تفعلوا فأذنوا بحرب من اللہ و رسولہ (البقرۃ:۲۷۹/۲۷۸)

"اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور اگر تم واقعی مؤمن ہو تو سود کا جو حصہ بھی (کسی کے ذمے) باقی رہ گیا ہو اسے چھوڑ دو، پھر بھی اگر تم ایسا نہ کروگے تو اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے اعلان جنگ سن لو۔

اتنی شدید تہدید قرآن مجید میں کسی دوسری معصیت کے لئے نہیں آئی ہے۔ سود یہ فارسی کا لفظ ہے جس کا معنی "نفع" ہوتا ہے اور قرآن وسنت کی اصطلاح میں "ربا" کہتے ہیں، لغت میں جس کے معنی "زیادتی، نمو، بڑھوتری اور اضافہ" کے ہیں، قرآن مجید میں ہے:

یمحق اللہ الربٰو و یربی الصدقٰت (البقرۃ:۲۷۶) اللہ سود کو مٹاتا ہے اور صدقات کو بڑھاتا ہے۔

شریعت کی اصطلاح میں سود کی یہ تعریف کی گئی ہے: **الربا ھو الفضل المستحق لاحد المتعاقدین فی**

المعاوضة الخالی عوض شرط فیه(الهداية ۳/۸۲) "لین دین کرتے وقت اس زائد مال کو سود کہتے ہیں جو کسی ایک فریق کو بطور شرط بلا معاوضہ حاصل ہو"۔

حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب دامت برکاتہم لکھتے ہیں:

اصطلاح شرع میں ہر اضافہ ربا نہیں، بلکہ مالی لین دین کے معاملہ میں ایسا مالی اضافہ، جس کا دوسرے فریق کی طرف سے کوئی عوض نہ ہو "ربا" کہلاتا ہے۔ "**فضل مالا یقابله عوض فی معاوضة مال بمال**"۔۔۔اس کو اردو زبان میں "سود" اور انگریزی زبان میں "Intrest" کہتے ہیں۔(قاموس الفقہ :۴۶۶/۳)

سود کی حرمت پر امت کا اجماع واتفاق ہے، حدیث نبوی میں بھی اس کی سخت مذمت آئی ہے بلکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سودی لین دین کرنے والوں پر لعنت کی ہے:

لعن رسول الله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آکل الربا وموکله وشاهده وکاتبه (سنن ابی داؤد ۳۳۳۳)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سود کھانے والے، کھلانے والے یعنی دینے والے، سود کے گواہ اور سود کی تحریر لکھنے والے پر لعنت کی ہے۔

جو لوگ اس دنیا میں سودی لین دین کرتے ہیں کل قیامت کے دن سیدھے کھڑے تک نہ ہوسکیں گے، کھڑے ہوں گے بھی تو پاگلوں دیوانوں کی طرح گرتے پڑتے لڑکھڑاتے ہوئے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

الذین یأکلون الربوا لا یقومون الا کما یقوم الذی یتخبطه الشیطان من المس (البقرۃ:۲۷۶) سود کھانے والے (قیامت میں) آسیب زدہ شخص کی طرح کھڑے ہوں گے۔

حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب دامت برکاتہم اس آیت کے ذیل میں لکھتے ہیں:

کفر وشرک کے بعد سب سے زیادہ جس گناہ کی اسلام میں مذمت کی گئی ہے وہ سود ہی ہے، قرآن مجید میں سورہ بقرہ کی چار آیات: ۲۷۶,۷۹,۷۸,۷۶ سود کی حرمت وشناعت میں آئی ہیں، اس کے علاوہ آل عمران: ۱۲۳، اور نساء: ۶۱۔۱۶۰ میں بھی اس کا ذکر موجود ہے۔۔۔اس لئے بینک

انٹرسٹ، انشورنس میں ملنے والا نفع، باؤنڈز پر ملنے والی زیادہ رقم، آج کل رہن کے طور پر مقروض سے مکان اور کھیت حاصل کر کے اس سے نفع اٹھانے کا جو رواج ہے، یہ سب سود کی صورتیں ہیں۔ (آسان تفسیر قرآن)

ایک طرف کتاب وسنت میں سودی لین دین پر سخت ترین وعیدیں آئی ہیں، تو دوسری طرف مسلمانوں میں دن بدن سودی لین دین کا رجحان بڑھتا ہی جارہا ہے، پہلے بڑے بڑے چودھری اس حرام کو کاروبار بنا بیٹھے تھے،، لیکن اب تو عام مسلمان بھی بلا جھجھک اس حرام کے مرتکب ہورہے ہیں، مرد تو مرد مسلم مستورات بھی اس فعل حرام میں ملوث ہیں بڑھ چڑھ کر حصہ لی رہی ہیں، اس وقت ہم مسلمان زیادہ تر سود لینے والے ہیں، ہر بستی میں کوئی نا کوئی ایسے پڑوسی بھائی ضرور ہیں جن کا یہی مشغلہ ہے۔

آج مسلم معاشرے میں زیادہ تر سودی لین دین کا وہی طریقہ رائج ہے جو زمانہ جاہلیت میں تھا مثلاً ایک سو روپے کسی کو قرض دینا، اور اس سے یہ طے کرانا کہ ایک ماہ بعد ایک سو دس روپے دینا ہوگا، پھر اگر اس میعاد پر ادا نہ کر سکے تو ہر ماہ میں دس روپے کی زیادتی ہوتی رہے گی، اسی طرح محتاج کے احتیاج سے فائدہ اٹھاتے ہوئے سود کئی گنا زیادہ ہوجاتا ہے بلکہ بسا اوقات اصل رقم سے بھی بڑھ جاتا ہے اسی کو قرآن مجید میں: **اضعافا مضاعفة** کے ساتھ تعبیر کیا گیا ہے۔

ہمارے مسلم معاشرے میں سودی لین دین کی کثرت کی چند وجوہات بھی ہیں جن کے تدارک کئے بغیر اس فعل حرام سے چھٹکارا ناممکن ہے۔

پہلی وجہ: آج ایک مسلمان دوسرے مسلمان کو قرض دینا پسند نہیں کرتے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ قرض خواہ وقت مقررہ پر قرض ادا نہیں کرتے ہیں۔

دوسری وجہ: اگر کوئی مسلمان اپنے مسلمان بھائی کو قرض دیتے بھی ہیں تو قرض خواہ سے قرض کا وصول کرنا جوئے شیر کے مترادف ہے۔

تیسری وجہ: مسلمانوں کا کوئی بیت المال نہیں ہے جو فوری طور پر مسلمانوں کی مدد کر سکے۔

چوتھی وجہ: آج کے دور میں ایک مسلمان کو دوسرے مسلمان پر اعتماد و بھروسہ نہیں ہے، کیونکہ وعدہ خلافی ہمارا شیوہ ہے۔

پانچویں وجہ: بسا اوقات قرض خواہ قرض کی ادائیگی میں ٹال مٹول ہی نہیں بلکہ اگر قوی (طاقتور) ہو تو ادائیگی ہی سے مکر جاتا ہے۔

ایسی صورت میں اس مرض لا دوا سے خلاصی کی یہ صورتیں کارگر ہو سکتی ہیں۔ پہلی صورت، شہر و گاؤں میں بعض مسلمان ایسے بھی ہوتے ہیں جن پر اللہ رب العزت کا خاص انعام ہوتا ہے وہ اہل ثروت ہوتے ہیں انہیں چاہیے کہ وہ مجبور و مقہور مسلمانوں کی آڑے وقت پر مدد کرے، قرض دے کر زیورات وغیرہ گروی پر رکھیں، اور قرض کی ادائیگی کی تاریخ مقرر کریں، اگر ادائیگی میں تاخیر ہو تو اس کو مہلت دیں، ایسا شخص جو اپنے قرض خواہ کو مہلت دیتا ہے اس کے بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے کہ ہر دن کے بدلہ صدقہ کا ثواب ملے گا:

عن عمران بن حصين رضي الله عنهما قال: قال رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم من كان له على رجل حق فمن اخره كان له بكل يوم صدقة (مسند احمد: ۱۹۱۲۷)

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس شخص کا کسی دوسرے شخص پر کوئی حق (قرضہ وغیرہ) ہو اور وہ اس مقروض کو ادا کرنے کے لئے دیر تک مہلت دے، تو اس کو ہر دن کے بدلہ صدقہ کا ثواب ملے گا۔

دوسری صورت: اگر کہیں ایسا فرد نہ ہو تو وہاں کے دیندار حضرات ایک تنظیم بنائیں اور اس تنظیم کے ذریعہ سے مسلمانوں کی وقت ضرورت پر قرض دے کر مدد و تعاون کریں۔ اگر اس پر عمل کیا جائے تو امید قوی ہے کہ ہم مسلمان اس فعل حرام سے کسی قدر بچ سکتے ہیں۔

○❖○

نقوشِ رفتگاں

مگر وہ علم کے موتی کتابیں اپنے آباء کی

مولانا معز الدین صاحب ناظم امارت شرعیہ جمعیۃ علماء ہند کی رحلت

حضرت مولانا مفتی امانت علی قاسمی صاحب
استاذ ومفتی دار العلوم وقف دیوبند

کرونا کی ناگہانی صورت حال کی وجہ سے ہم اپنے بہت سے چاہنے والوں اور عزیز واقارب سے دور ہوگئے ،علم وفضل کے آفتاب و ماہتاب بھی اس مہلک بیماری میں داغ مفارقت دے گئے ،گلستان مدارس کے بہت سے گل ولالہ،گلزار خانقاہ کے بہت سی یاسمین وگلنار اور گلشن علمی کے بہت سے نسرین ونسترن جن سے گلستان میں رونق تھی ، چمن میں خوشبو تھی ، چمنستان میں بہار تھی لیکن یہ سب ویرانے میں تبدیل ہوگیے ،خزاں رسیدہ ہوگیے، باغیچہ کے بہت سے پھول مرجھائے گئے ، انہی خوشبو دار پھولوں میں ایک گل لالہ مولانا معز الدین صاحب تھے،جن کی زندگی کی شمع اچانک گل ہوجانے سے علمی چمن میں پزمردگی چھا گئی۔

مولانا معز الدینؒ صاحب علم دوست تھے، کتابوں کے عاشق تھے،مطالعہ کے رسیا،ان کی زندگی دینی وملی خدمات سے عبارت ہے ، ان کی پوری حیات مستعار جمعیت علماء ہند کے کاز کو پھیلانے ،مضبوط کرنے اور سنوارنے میں صرف ہوئی ہے،آپ وضعدار اور ملنسار تھے،انتظامی صلاحیت آپ کے اندر غیر معمولی تھی،سادگی آپ کی پہچان تھی،خوش اخلاقی کے آپ روشن عنوان تھے،آپ جس جگہ تھے وہاں ہمیشہ لوگوں کا ہجوم رہتا ہے، ملنے جلنے والوں کی کثرت رہتی ہے، بسا اوقات لوگوں کی کثرت کی وجہ سے پڑھنے لکھنے والوں میں اکتاہٹ اور چڑچڑاپن پیدا ہوجاتا ہے لیکن مولانا معز الدین صاحب اس سے یکسر مختلف تھے،آپ جمعیت علماء کے بے لوث

خادموں میں تھے، جمعیۃ کی مجلس عاملہ کے رکن، امارت شرعیہ ہند کے ناظم اور مباحث فقہیہ کے روح رواں تھے وہ نام ونمود اور دکھاوے سے بہت دور تھے، آپ اسٹیج کے کاموں سے وابستہ ہوکر اسٹیج سے بہت دور رہتے تھے مزاج اور طبیعت کی سادگی ان کی ہر چیز سے ہویدا تھی ان کے بارے میں اقبال کا یہ شعر بہت مناسب معلوم ہوتا ہے۔

مگر وہ علم کے موتی کتابیں اپنے آباء کی
جو دیکھے ان کو یورپ میں تو دل ہوتا ہے سیپارہ

مولانا معزالدین صاحبؒ سے میں زمانہ طالب علمی سے ہی واقف تھا؛ اس لیے کہ پڑھنے کے زمانے میں جمعیت کے سالانہ پروگراموں شوق سے گھومنے کے لیے جایا کرتا تھا، لیکن مولانا سے تعارف اور تعلق کا آغاز ۲۰۱۲ء سے ہوا جب مباحث فقہیہ کا گیارہواں اجلاس دارالعلوم حیدرآباد میں منعقد ہو، اس وقت میں دارالعلوم حیدرآباد میں مدرس تھا اور سیمینار کے لیے مقالہ بھی لکھا تھا؛ اس لیے مقالہ کے سلسلے میں ان سے پہلے موبائل کے ذریعہ گفتگو ہوئی پھر جب وہ تشریف لائے تو براہ راست ملاقات ہوئی اس وقت سے آج تک شرف ملاقات اور تعلقات کا ایک سلسلہ تھا۔

میں نے مولانا کی زندگی کی چند خصوصیات نوٹ کی ہیں، جو ان کی زندگی کا لازمہ تھیں اور ان کو ممتاز کرتی تھیں، مولانا مرحوم مباحث فقہیہ کے ناظم تھے، اس لیے دوسو سے زائد علماء کرام سے ان کا رابطہ تھا، ہر ایک سے ملنا، اور ان کے حالاتِ سفر معلوم کرنا، خیریت پوچھنا، نیا ہو یا پرانا، بڑا ہو یا چھوٹا ہر ایک کی خاطر داری کرنا اور ان کی مشکلات کو حل کرنے کی کوشش کرنا یہ ان کے اعلی درجہ کے منتظم ہونے کا پتہ دیتی ہیں۔

مولانا بہت باخبر لوگوں میں تھے، حالات سے باخبر رہتے، مطالعہ بڑی کثرت سے کرتے تھے، کتابوں کو جمع کرنے اور پڑھنے کا بہت شوق تھا، گزشتہ سال اِسی اگست کے مہینہ میں کسی کام سے دہلی جانا ہوا تو جمعیت علماء کے دفتر میں ہی قیام کرنا تھا، وہاں مولانا سے ان کے کمرے میں ملاقات کی، مولانا نے بڑے پرتپاک انداز میں ملاقات کی، ملنے کے ساتھ ہی کہنے لگے اب تو آپ دیوبند آگئے ہیں؟ میں نے اثبات میں جواب دیتے ہوئے کہا

کہ میں آپ کو اس کی اطلاع دینے والا ہی تھا لیکن آپ کو کیسے معلوم ہوا کہ میں دار العلوم وقف دیوبند میں آ گیا ہوں؟ تو کہنے لگے کہ یہ سب معلوم تو ہو ہی جاتا ہے۔ پھر مباحث فقہیہ کی وہ لسٹ نکال کر دکھائی کہ دیکھئے میں نے تو آپ کا ایڈریس بھی تبدیل کر دیا ہے، اور حیدرآباد کی فہرست سے آپ کا نام نکال دیا ہے، اس موقع پر مباحث فقہیہ کے پروگرام کے تعلق سے بہت سی باتیں ہوئی تھیں جن کا یہ موقع نہیں ہے، اس موقع میں ان کے کمرے میں کتابوں کی کثرت کو دیکھ کر میں نے سوال کیا کہ مولانا آپ کا کمرہ کتابوں کی وجہ سے بہت چھوٹا ہو گیا ہے، کتابیں آپ نے اس طرح ایک پر ایک رکھ دی ہیں کہ اس کو تو نکالنا بھی مشکل ہوتا ہوگا، تو کہنے لگے کہ ضروری کتابیں جن کی زیادہ ضرورت ہوتی ہے وہ تو الماری میں رکھتا ہوں کہ وقت ضرورت ان کو نکال سکوں اور باقی دوسری کتابیں جن کے نکالنے کی ضرورت کم پڑتی ہے ان کی اسی طرح بے ترتیبی سے رکھ دیا ہے۔ یہ ایک اچھی ملاقات ہوئی تھی ۔مولانا کی زندگی اور ان کے کمرہ کی صورت حال بتا رہی تھی۔

نکہت گل میری دہلیز پہ کیا ٹھہرے گی
میرے کمرے میں کتابوں کے سوا کچھ بھی نہیں ہے

مولانا کے سلسلے میں ابتدائی چند ملاقاتوں کے بعد میرا تاثر یہ تھا کہ مولانا ایک علمی آدمی ہیں مطالعہ وسیع ہے لیکن لکھنے سے شاید زیادہ مناسبت نہیں ہے لیکن یہ میرا خیال تھا، بعد میں محسوس ہوا کہ میں غلط تھا، جمعیۃ علماء ہند نے صدی تقریبات کے ضمن میں جمعیت کے بانیوں اور ابتدائی زمانے کے متحرک لوگوں کے اوپر سیمینار کرانے کا فیصلہ کیا اور اس سلسلے میں بھی مقالات لکھنے کا موقع ملا تو اس موقع پر جب میں نے جمعیت کی پرانے فائلوں کو پڑھنا شروع کیا تو معلوم ہوا کہ ایک زمانہ میں مولانا بہت کثرت سے لکھتے تھے، اور بہت سی شخصیات پر مولانا کی گراں قدر تحریریں موجود ہیں، شخصیات کے علاوہ جمعیت کی خدمات، تعارف اور ان کے کارناموں کے تعلق کے علاوہ دیگر موضوعات پر ان کی تحریریں نظر سے گزری ہیں، اور وہ تحریریں بھی زبان وادب کے معیار سے مکمل ہم آہنگ ہیں اگرچہ ادھر چند سالوں سے وہ بہت سے زیادہ نہیں لکھتے تھے۔

مولانا سوشل میڈیا سے بھی بہت مربوط تھے، اور جیسا کہ پہلے بھی عرض کیا کہ مولانا کا مطالعہ بہت وسیع تھا اور کتابوں کے سلسلے آپ بہت فائق تھے، واٹس ایپ گروپ کی دنیا میں ایک معتبر گروپ علم و کتاب کے نام سے ہے جس کے ایڈمن مولانا عبد المتین منیری صاحب ہیں جو خود کتابستان کی دنیا میں اپنی مثال آپ ہیں، مولانا منیری صاحب کا مطالعہ بہت وسیع ہے، اور تجزیاتی مطالعہ کرنے کے عادی ہیں اور حاصل مطالعہ کو اپنے تجزیے کے ساتھ بڑے عمدہ انداز سے تحریر کرتے ہیں جس سے پڑھنے والا عش عش کرتا رہ جاتا ہے اور قاری کو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ جیسے اسے معلومات کا وسیع خزانہ ہاتھ آ گیا ہو، اس گروپ میں اکثر اہل علم حضرات ہیں ؛ بلکہ قرطاس و قلم کے شہسوار ہیں، علم و کتاب گروپ سے محسوس ہوتا ہے کہ ابھی مطالعہ زندہ ہے، اور پڑھنے والے اب بھی باقی ہیں، ایسا نہیں ہے کہ مبائل نے مطالعہ سے محروم کر دیا ہے کہ بلکہ ارباب علم کا ایک قافلہ ہے جنہوں نے موبائل کو ہی اپنے مطالعہ کا ذریعہ بنالیا ہے، مولانا معز الدین صاحب اس گروپ کے ممبر تھے، اور میں نے محسوس کیا کہ جب بھی کسی نے کسی تاریخی یا قدیم کتابوں کا مطالبہ کیا تو مولانا معز الدین صاحب نے فورا یا ایک دن کے بعد ہی وہ کتاب فراہم کر دی، اس کا مطلب یہ تھا کہ مولانا نہ صرف یہ کہ اپنے کمرے کو کتابوں سے آباد کر رکھا تھا؛ بلکہ اپنے موبائل کو بھی اپنی لائبریری بنالیا تھا، یہ ان کے ذوق مطالعہ کی دلیل ہے۔ بہت مرتبہ ایسا ہوا کہ میں نے مولانا کو میسیج کیا کہ فلاں سیمینار کے فلاں موضوع کی تجاویز کی ضرورت ہے اگر ممکن ہو تو ارسال فرمادیں، حیرت ہوتی ہے کہ مولانا نے میرا میسیج دیکھا اور میری ضرورت پوری کر دی، اس کا مطلب یہ تھا کہ مولانا موبائل میں بھی علمی چیزوں کو بہت مرتب رکھا کرتے تھے کہ جب ضرورت پڑے اس کو استعمال میں لایا جاسکے، یہ کوئی معمولی بات نہیں ہے وہ تجاویز تو پروگرام کے بعد موبائل کے ذریعہ ہمارے پاس بھی آتی ہیں، لیکن ہم لوگوں کا حال یہ ہے کہ کبھی موبائل بے وفائی کر دیتا ہے اور کبھی ہم موبائل کے ساتھ بے وفائی کر جاتے ہیں اس طرح موبائل میں موجود بہت سی کارآمد چیزیں ضائع ہو جاتی ہیں لیکن مولانا کا یہ کمال تھا کہ ان کی چیزیں موبائل میں بھی مرتب

رہا کرتی تھیں۔

مولانا کے اچانک چلے جانے کا بہت افسوس ہوا، ابھی اس کی توقع بالکل ہی نہیں تھی، فقہ اکیڈمی انڈیا کے سکریڑی مولانا امین عثمانی صاحب اور مباحث فقہیہ کے ذمہ دار حضرت مولانا معز الدین صاحب کا اچانک رحلت کر جانا یقینا علمی دنیا کا ایک بڑا خسارہ ہے، دونوں فقہی اکیڈمیوں کے لیے نا قابل تلافی نقصان ہے، اس طرح کے افراد جو یکسوئی کے ساتھ، اخلاص کے ساتھ، دلجمعی کے ساتھ اپنے کاموں میں لگے ہوئے تھے، اور جنہوں نے اپنے سوز دروں سے ان کو سینچا اور پروان چڑھایا تھا یقینا ہم سب کے لیے دکھ اور تکلیف کا باعث ہے، لیکن یہ سب فیصلہ خداندی ہے، یہ سب کرشمہ قدرت ہے جس کے آگے ہم بے بس ہے ہم صرف دعا کر سکتے ہیں کہ اللہ تعالی مولانا مرحوم کی مغفرت فرمائے ان کے درجات کو بلند فرمائے اور ان کے سیئات کو حسنات سے مبدل فرمائے ،اور دونوں فقہی اکیڈمیوں کا اللہ تعالی ان کا نعم البدل عطا فرمائے۔

❍❖❍

شرعی مسائل

صحابۂ کرام پر تنقید کرنے والے کا حکم

مفتی ابو دانیال قاسمی

سوال: حضرت عائشہ، حضرت علی اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہم کے نزاع و اختلاف کو لوگوں میں بیان کرنا اور ان پر تنقید کرنا کیسا ہے؟

جواب: مشاجرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے سلسلہ میں سکوت اختیار کرنا چاہیے۔ ان واقعات کا تذکرہ ایسے طریقہ پر کرنا جس سے کسی دوسرے صحابی کی تنقیص ہوتی ہو، سخت مذموم ہے، ان پر تنقید کرنا روافض کا طریقہ ہے، حدیث میں بہت سختی سے ممانعت کی گئی ہے، لہٰذا اس سے پورے طور پر بچنا لازم و واجب ہے۔ **الله الله في أصحابي لا تتخذوهم غرضا من بعدي** (مشکاۃ، ص: ۵۵۴) میرے صحابہ کرام کے سلسلہ میں اللہ سے ڈرو، اللہ سے ڈرو، میرے بعد ان کو اپنے ناپسندیدہ کلام کے لیے نشانہ مت بناؤ۔ (دارالافتاء، دارالعلوم دیوبند)

سوال: کچھ لوگ حضرات صحابہ کرام و اہل بیت رضوان اللہ علیہم اجمعین کے متعلق نازیبا الفاظ استعمال کرتے ہیں اور ان کی تکفیر۔ تکذیب اور ان پر تنقید کرتے ہیں۔ براہ کرم ان کی شرعی سزا قرآن وسنت اور اجماع کی روشنی میں اجماع کی روشنی میں بیان فرمائیں۔

جواب: جو لوگ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی تکفیر کرتے ہیں، انھیں صحابی تو دور کی بات مسلمان ماننے کے لیے تیار نہیں، وہ باجماعِ امت کافر و مرتد اور دائرۂ اسلام سے خارج ہیں؛ کیوں کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی صحابیت قرآن پاک سے صراحتاً ثابت ہے (التوبۃ: ۴۰) اور

صحابیت کے لیے ایمان واسلام لازمی وبنیادی اور اولین شرط ہے "وبهذا ظهر أن الرافضي إن كان ممن يعتقد الألوهية في عليّ، أو كان ينكر صحبة الصديق أو يقذف السيدة الصديقة فهو كافر لمخالفة القواطع العلومة من الدين بالضرورة (شامی ۴:۵:۱۳ مطبوعہ مکتبہ زکریا دیوبند)، نعم لا شك في تكفير من قذف السيدة عائشة رضي الله تعالىٰ عنها أو أنكر صحبة الصديق أو نحو ذلك من الكفر الصريح المخالف للقرآن (حوالۂ بالا ۶:۸:۳۷۸) اور دیگر صحابۂ کرام کی تکفیر وتکذیب کرنے والا اور ان پر تنقید کرنے والا اشد درجہ فاسق ہے اور اہل السنۃ والجماعۃ سے بھی خارج ہے۔ (دارالافتاء، دارالعلوم دیوبند)

سوال: ایک جاہل شخص اصحابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مثلاً حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر لعن کرتا ہے اور اس امر کو حلال اور ثواب سمجھتا ہے کیا ایسا اعتقاد والا مسلمان دائرۂ اسلام سے خارج ہوگیا؟ مدلل بحوالہ کتب بمعہ صفحہ تحریر فرمائیں۔

جواب: جو شخص صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم پر لعن کو حلال اعتقاد کرے وہ دائرۂ اسلام سے خارج ہے کیوں کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی تعریف قرآن کریم میں متعدد جگہ وارد ہے اور ان پر لعن کو حلال ثواب اعتقاد کرنا آیاتِ قرآنیہ کا انکار کرنا ہے۔ (مُلّا علی قاریؒ نے شرح فقہِ اکبر، ص ۸۶، میں لکھا ہے۔) اور بغیر حلال سمجھے جو شخص گالی دے اس پر لعنت وارد ہوئی ہے۔ من سب اصحابی فعليه لعنة الله والملائكة والناس اجمعين رواه الطبراني، لعن الله من سب اصحابی رواه الطبراني (فتاویٰ محمودیہ ۲، ۴۷)

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے یں کہ: جو لوگ حضرت امیر معاویہ کو برا بھلا کہتے ہیں ان کے بارے میں شریعت مطہرہ کا حکم کیا ہے؟

جواب: جو لوگ صحابیِ رسول کاتب وحی اور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے برادر نسبتی حضرت امیر معاویہؓ کی شانِ اقدس میں گستاخی کرتے ہیں وہ اہلِ سنت والجماعت سے خارج، گمراہ اور بدعتی ہیں۔ فسبّهم الطعن

فيهم إن كان ممن يخالف الأدلة القطعية فكفر، كقذف عائشة وإلا فبدعة وفسق، وبالجملة لم ينقل عن السلف المجتهدين والعلماء الصالحين جواز اللعن على معاوية۔ (شرح العقائد النسفية ۱۶۱-۱۶۲)**ومما يوجب أيضا الإمساك عما شجر أي وقع بينهم من الاختلاف والإضطراب صفحا عن إخبار المؤرخين... والواجب أيضا على كل من سمع شيئا من ذٰلک يثبته فيه ولا ينسبه إلى أحد منهم۔** (الصواعق المحرقة ۲۱۶)**إذا رأيتم الذين يسبون أصحابي فقولوا لعنة الله على شركم۔** (سنن ترمذي ۲/۲۲۵)**وأما كف الألسنة عن الطعن فيهم فإن كلا منهم مجتهد وإن كان على رضي الله عنه مصيبا فلا يجوز الطعن فيهما، والأسلم للمؤمنين أن لا يخوضوا في أمرهما۔** (مرقاۃ المفاتیح ۱۰/۱۳۱)(کتاب النوازل ۲،۵۵۱)

سوال: زید کہتا ہے کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے یزید کا انتخاب کرکے ایک بدعت ایجاد کی اور ان کا انتخاب غلط تھا۔ اور بکر کہتا ہے کہ صحابی سے غلطی نہیں ہوسکتی، ان کا انتخاب درست ہے، ایسے ہی زید کا کہنا ہے کہ حسین کے ساتھ اہل بیت کا قاتل یزید ہے۔ اور بکر کہتا ہے کہ ایسا نہیں ہے، آخر کون حق پر ہے؟ کیا یزید کے بارے میں لعن طعن درست ہے؟

جواب: یزید کی غلط کاریوں پر تنقید کرنے میں شرعاً کوئی حرج نہیں؛ لیکن اس کے غلط افعال کو صحابی رسول سیدنا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب کرنا صحیح نہیں ہے؛ اس لئے کہ ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ نے جب یزید کو اپنا ولی عہد بنایا تھا تو ان کے سامنے اس کی غلط کاریاں نہ تھیں، ورنہ آپ رضی اللہ عنہ اس کو ہرگز ذمہ داری نہ دیتے۔ (مستفاد فتاویٰ محمودیہ ۱/۴۱۱)(کتاب النوازل ۲، ۳۳۴)

○❖○

عظمتِ صحابہؓ

حضرت مولانا مفتی عبدالقدوس رومی صاحب، سابق مفتی شہر آگرہ

صحابہ کی صفائی میں وکالت جو بھی کرتا ہے
بنے گی اس کی عقبیٰ اس سے ایماں ہی سنورتا ہے

صحابہ کون تھے؟ قرآن سے، اللہ سے پوچھو
حدیث پاک سے سمجھو، رسول اللہ سے پوچھو

"کیا اللہ نے ایمان کو محبوب دل ان کا
مزین کر کے ایماں کر دیا مرغوب دل ان کا

بٹھادی ان کے دل میں کفر سے عصیاں سے نفرت
جمادی ان کے دل میں فسق کے طغیان سے نفرت

یقیناً راہ یاب حق "وہی ہیں راشدوں" دیکھو
یہ ہے ارشاد قرآنی بس اب کرنا نہ چوں دیکھو

"رسول اللہ نے اللہ کہ کر ہم کو روکا ہے
انہیں کہنا نہ کچھ ہرگز بڑی سختی سے ٹوکا ہے

ہدف تنقید کا اپنی کبھی ان کو نہ تم کرنا
کسی بھی طرح کا الزام ہو، ان پر نہ تم دھرنا

ہے البتہ انہیں کی دوستی سے دوستی میری
جو کوئی ان کا شمن ہو، ہے اس سے دشمنی میری"

جو آزادانہ ان پر جرم کا الزام رکھے گا
قیامت میں مزہ تحقیق کا وہ آپ چکھے گا

جو قرآن چھوڑ کر تاریخ پر ایمان رکھتا ہو
صحابہ دشمنی میں جو "سبائی شان" رکھتا ہو

وہ کیا جانے صحابہ کیا تھے؟ کیا تھا مرتبہ ان کا؟
تھے "اصحاب نبی وہ" حق تعالیٰ آشنا ان کا

"سورہ حجرات" آیت ۷ اور حدیث " اللہ اللہ فی اصحابی "الخ (مشکوۃ) کے مضمون کی منظوم ترجمانی کی گئی ہے۔رومی

دارالمؤلفین ٹیلیگرام چینل